رہبر کشمیر

از

صغرا ہمایوں میرزا

رہبر کشمیر

با تصویر

جسمیں جغرافی و تاریخی معلومات کے علاوہ لائق دید مقامات

سفر کے حالات وادی کشمیر و لاہور دہلی و علیگڑہ وغیرہ کے حالات

معہ تصاویر بلاکس درج ہیں جو سیاحوں کے لئے رہنما ہیں

مؤلفہ

مسز صغرا ہمایوں میرزا مصنفہ مشیر نسوان و تحریر النساء،

سرگذشت ہاجرہ۔ موہنی و سفرنامہ یورپ وغیرہ۔

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر چارمینار حیدرآباد دکن

ملنے کا پتہ کتبخانہ تجارتی عبد القادر تاجر کتب واقع چارمینار حیدرآباد دکن

سے طلب فرمائیں

قیمت فی جلد (ایکروپیہ (عہ))

یا اللہ

دیباچہ کتاب رہبر کشمیر

از قلم عالم فلسفہ نفسیات اور ادیب بلند پایہ جناب مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے دریابادی مدیر اخبار سچ

سفر و سیاحت اگر مقصد صحیح کے ساتھ ہو تو بجائے خود ایک عبادت ہے اور ارشاد ربانی سیروا فی الارض کی تعمیل۔ امت کے عہد شباب میں بڑے بڑے مسافر اور بڑے بڑے سیاح گزر چکے ہیں۔ بیگم صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ قوم کی ان معدودے چند معزز خواتین میں ہیں جو باوجود اعلی تعلیم یافتہ اور کہنہ مشق اہل قلم ہونے کے اپنی مشرقیت اور اپنے اسلام کو عزیز رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے قلم سے اب تک متعدد تالیفات و تصنیفات شائع ہو چکی ہیں اور ان کا تازہ ترین افادہ قلم رہبر کشمیر ہے۔

کہاں حیدر آباد اور کہاں کشمیر! مشرق و مغرب کا نہ سہی شمال و جنوب کا [illegible] بعد ہے عورت ذات کیلئے۔ لیکن جو بلند ہمت خاتون یورپ تک سفر کر چکی ہیں ان کے لئے اس فاصلہ کی کیا حقیقت تھی۔ کوئی چار سال ہوئے اپنے شوہر کے ہمراہ وہ کشمیر گئیں اور واپس آئیں۔ لاہور، دہلی، اجمیر، علیگڈھ وغیرہ راہ میں پڑتے رہے۔ جو کچھ انکی آنکھوں نے اور دل کی آنکھوں نے دیکھا آپکے لطف میں ان اوراق کے ذریعہ سے، وہ اپنے بھائیوں اور بہنوں کو بھی شریک کر رہی ہیں۔

روزنامچہ کسی کا بھی ہو دلچسپ ہی ہوتا ہے۔ اور پھر جب موضوع بیان کشمیر جنت نظیر ہو، لکھنے والی بھی مشاق و کہنہ مشق جسکا طرز بیان بالکل صاف اور سادہ اور اردو تصنع سے مبرا۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سنا بس وہی دوسروں کو بھی دکھا دینا اور سنا دینا چاہا ہے۔ درگاہوں، بازاروں، سبزہ زاروں، آبشاروں، عجائب خانوں، سب ہی کی سیر انہوں نے کی۔ مجلسوں اور مدرسوں میں تقریریں کیں، انہوں نے کہیں ماتم حسین کی مجلس میں اپنے فرقہ کے عقیدہ کے موافق شریک ہوئیں۔ ان کے شوہر بڑے بڑے معززین اور افسروں سے ملتے رہے۔ سب کچھ ہوا لیکن یہ اپنے کو نہ بھولیں۔ مانس بل جھیل کی سیر کرنے گئیں تو وہاں ملکہ نور جہاں

کا بنوایا ہوا باغ نظر آیا اس موقع پر اُن کے قلم سے الفاظ ذیل نکلتے ہیں:—— "اس باغ کو دیکھکر بیحد حسرت ہوئی کہاں گئی وہ نازنین جس نے یہ باغ لگایا۔ جو اس حمام میں حمام کرتی ہوگی کیا کیا عیش کئے ہونگے۔ آج کے دن انکی یاد تازہ کرنیکے لئے ایک فقیر بیٹھا بتا رہا ہے۔ یہ نور جہاں کا لگایا ہوا باغ ہے۔ جہاں بادشاہ کے قدم آتے تھے اب وہاں گدا بھیک مانگ رہا ہے۔ حسرت و یاس آنسو بہا رہی ہے۔ چنار کے درخت ہنس ہنس کر ہمکو بتا رہے ہیں کہ دیکھو دنیا کی بے ثباتی اس کرتے ہیں تو کس گھمنڈ میں یہاں سیر کو آئی ہے۔ ہمارے حال پر رونے آئی ہے یا ہنسنے۔ دیکھو حمام رو رہا ہے اور میں کھڑا ہنس رہا ہوں۔ مجھے ہنسی حمام کے رونے پر آرہی ہے میں اس سے کہہ رہا ہوں اے بھائی میں بھی نور جہاں کے دست مبارک کا لگایا ہوا ہوں چندروز بعد میں بھی جلکر خاک ہو جاؤں گا۔ تو روتا کیوں ہے "کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام" جس خوش نصیب نے یہ یاد رکھا اس نے سب کچھ یاد رکھا۔

صفحہ ۱۴۱ پر انار کلی والی روایت جو نقل ہوئی ہے وہ درج نہ ہوتی تو بہتر تھا۔

صفحہ ۱۶۷ پر مولانا محمد علی کی صاحبزادیوں کے متعلق جو کچھ درج ہے اس کے سلسلہ میں محترم مصنفہ یقیناً یہ سنکر خوش ہونگی کہ دونوں صاحبزادیاں گو کسی اسکول کی باضابطہ سند یافتہ نہیں لیکن عام لکھی پڑھی ہوئی بیویوں سے ماشاءاللہ کہیں زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ خدا کرے مصنفہ کے قلم سے آیندہ زیادہ مفید ملت تصانیف شائع ہوتی رہیں۔

عبدالماجد

دریاباد۔ بارہ بنکی۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۲ء

ریویو

از افصح الفصحا ملک الشعراء استاذی حضرت جلیل حافظ جلیل احمد صاحب مخاطب بہ نواب فصاحت جنگ بہادر استاد حضور شاہ دکن خلد اللہ ملکہ

ہر کشمیر سفر کشمیر کے متعلق ایک رسالہ ہے جو دلچسپ عبارت اور دلکش الفاظ میں لکھا گیا ہے اور جو اپنے صفحات پر بہت سے تاریخی واقعات وجغرافی حالات رکھتا ہے میں نے اگرچہ سرسری طور سے رسالہ کی سیر کی ہے مگر کشمیر کی پوری سیر کا لطف آگیا ہے۔

شروع میں جو بسیط مقدمہ ہے صرف اس کے دیکھنے سے کشمیر کا پورا مرقع آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ حالات پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نگار نے کشمیر کے اعلیٰ مناظر اور مشہور مقامات کو سطحی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ تمام جزئیات پر گہری نظر ڈالی ہے۔ بیان بہت سلجھا ہوا اور زبان بہت پاکیزہ۔ میں قابل مصنفہ کو اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ جناب صغرا ہمایون مرزا صاحبہ کی جہاں اور بہت سی تصانیف نظم و نثر موجود ہیں یہ نادر رسالہ بھی شہرت و مقبولیت میں اضافہ کرنیوالا ثابت ہوگا۔ شاد باش اے زندہ دل صغرا کہ کارے کردہ۔

فصاحت جنگ جلیل

قطعہ از اکمل الشعراء فخر الادبا مولانا علی حیدر صاحب طباطبائی مخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر

لکھا صغرا ہمایون میرزا نے — بہت تفصیل سے کشمیر کا حال
زباں اُن کی ہی موج آب گوہر — قلم اُن کا ہمایوں فر ہمابال
عبارت ہر کہ تصویریں کھینچی ہیں — مطابق کسقدر ہے حال سے قال
یہی کشمیر کا جغرافیہ ہے — یہی کشمیر کے تاریخی احوال
وہ جھیل اس کی سمندر آسمانی — پہاڑ اس کے بلند اور چرخ تمثال
وہ طغیانی وہاں کی ندیوں کی — کریں جو نوح کے طوفان کو پامال

جو ہیں ان وادیوں کے رہنے والے — پہاڑوں پر وہ چڑھ جاتے ہیں فی الحال
ہزاروں ہوس بوٹ ایسے ہیں موجود — جو ہیں طوفاں کے ڈر سے فارغ البال
دہاغات اس کے شاداب و معطر — وہ نہریں جن میں جاری آب سلسال
غرض ہے خطۂ کشمیر سارا — رخ ہندوستاں پر خوشنما خال

ریویو

از ذرۂ گرانمایہ ڈاکٹر مولوی احمد حسین صاحب مخاطب بہ نواب امین جنگ بہادر ایم۔ اے۔ ایل ایل ایم۔ ایل ایل ڈی۔ بی ایل۔ سی ایس آئی۔ سی آئی ای

صدر المہام پیشی حضور خسرو دکن دام اقبالہٗ

بی بی صغرا بیگم صاحبہ۔ کتاب (رہبر کشمیر) کے پروف کے ساتھ مراسلہ ۸ ستمبر ۱۹۳۲ء موصول ہوا جس خلوص کے ساتھ میری رائے طلب کی گئی ہے اس کا شکریہ۔ لیکن میری دانست میں آپ جیسی کثیر التصانیف خاتون جنکی کتابیں اور رسالے مقبول خاص و عام ہیں آپکی کسی جدید تصنیف کے متعلق تعریف و توصیف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

ماشاء اللہ آپ ایسی سیاح ہیں اور آپ کا اردو قلم ایسا دلپذیر ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ آپ کی واقعہ نویسی پر کوئی چون و چرا ہو سکے یا آپ کی رہبری کی باتوں پر کوئی نکتہ چینی کر سکے۔ جہانتک میں نے آپ کی جدید تصنیف کے پروف دیکھے نہایت دلچسپ و مفید پایا۔ یقین ہے کہ یہ کتاب بھی آپ کی دیگر تصانیف کے مانند مقبول عام ہوگی اور علی الخصوص اُن اصحاب و خواتین کے لئے جو صحت و تفریح کے لئے کشمیر جاتی ہیں ان کی رہبر اسم باسمیٰ ہوگی۔

احمد حسین امین جنگ

فہرست مضامین رہبر کشمیر

←―――(۰)―――→

مقدمہ

قبل اس کے کہ میں اپنے حالیہ سفر و سیاحت کشمیر جنت نظیر کے حالات و واقعات اپنی ڈائری (روزنامچہ) میں سے نقل کروں اور ایک کتاب کی شکل میں پبلک کے سامنے پیش کروں یہ مناسب خیال کرتی ہوں کہ مختصر طور پر کشمیر کے جغرافی و تاریخی حالات اور وہاں کی قدرتی خوبیوں کا بھی کچھ تذکرہ کروں تاکہ ناظرین و ناظرات کی دلچسپی کا بھی کچھ سامان مہیا ہو جائے اور اِس کو کتاب کا مقدمہ کردوں۔

جغرافیہ

وادی کشمیر کا انڈیا کے اخیر شمالی حصہ یعنی صوبہ پنجاب کی شمالی سرحد سے ڈانڈا ملا ہے کوہ ہمالیہ کے سلسلہ کا غربی حصہ کشمیر کی شمالی سرحد ہے۔ جنوبی شرقی حد سے شمالی شرقی حد تک چارسو میل کا فاصلہ ہے۔ جنوبی غربی سے شمالی شرقی حد کا فاصلہ تین سو پچاس (۳۵۰) میل ہے۔ جنوب سے شمال دو سو چالیس (۲۴۰) میل ہے۔ عرض البلد ۳۲°.۳۰ سے عرض البلد ۳۶° جانب شمال۔ شرق سے غرب تین سو پچاس میل ۳° ۷۰.۲۶ طول البلد سے ۸۰° جانب شرق ہے جملہ رقبہ ۸۰۰۰۰ مربع میل ہے۔ زمین کا سب سے نیچا حصہ ایک سطح زمین کی وادی جانب جنوب و غرب ہے جو پنجاب کے اخیر شمالی حصہ سے مل گئی ہے۔ اس زمین کی وادی کی بلندی سطح سمندر سے صرف ایک ہزار فیٹ ہے۔ پہاڑوں کا سلسلہ ایک خاص خط سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے ڈھالوان بلندی ہے جس کو پہاڑیوں کی ایک قطار سمجھنا چاہیئے اس قطار کی بلندی

سطح سمندر سے مختلف ہے۔ کوئی پہاڑی دو ہزار کوئی تین ہزار فیٹ تک ہے اس کے بعد کچھ حصہ ناہموار اراضی کا ہے جسمیں جا بجا ڈھلواں بلندی بھی ہے۔ یہ سلسلہ پہلی قطار کے متوازی چلا گیا ہے۔ درمیان میں تنگ مرغزار اور گھاٹیاں ہیں۔ اس سلسلہ کی جو پہاڑیاں ہیں بلندی میں سطح سمندر سے کوئی تین ہزار کوئی چار ہزار فیٹ ہے۔ بیچ میں جو درّے ہیں سطح سمندر سے صرف دو ہزار فیٹ بلند ہیں۔ یہ اور سب سے باہر والی پہاڑیاں ملکر بیرونی پہاڑیوں کی سرزمین ہے۔ تمام حصہ بہت ناہموار اونچا نیچا ہے۔ بعض پہاڑیوں پر مختلف اقسام کے دیودار اور شمشاد وصنوبر کے بڑے بڑے درخت ہیں اور اس قدر گنجان کہ تل رکھنے کو جگہ نہیں۔ بعض پہاڑیاں بالکل اُجاڑ سبزی کہیں نام کو نہیں۔ بیچ میں درمیانی پہاڑوں کے سلسلے درسلسلے ہیں۔ ان سلسلوں کے پہاڑوں کی بلندی مختلف ہے آٹھ ہزار فیٹ سے دس ہزار فیٹ تک سطح سمندر سے یہ پہاڑ بلند ہیں۔ ان پہاڑوں پر بھی درختوں کے جنگل پڑے ہیں۔ بیچ میں تنگ وادیاں ہیں جو بلندی میں سطح سمندر سے کہیں دو ہزار فیٹ کہیں ڈہائی ہزار فیٹ ہیں۔ ان کے بعد ہمالیہ کے سلسلہ کے اُن پہاڑوں کی زنجیر ہے جو آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ بلندی میں سطح سمندر سے پندرہ ہزار فیٹ سے لیکر پچیس ہزار فیٹ تک ہے۔ ہمالیہ کی تین چار چوٹیاں بیحد بلند ہیں شلاً ایورسٹ۔ کنچن جنگا۔ دہولاگیری۔ ان پہاڑوں پر دوازدہ ماہ برف جمی رہتی ہے۔ وادی کشمیر کے چاروں طرف پہاڑوں کا سلسلہ درسلسلہ ہے بیچ میں قدرت خدا کا نظارہ ہزاروں مربع میل کا وہ میدان ہے جسپر دارالسلطنة سرینگر اور اس کے مضافات زڈی بل وغیرہ اور شہر اسلام آباد قصبہ ہائے شادی پور۔ سنبھل پور۔ پنجور۔ بارہ مولا آباد ہیں پہر زڈی بل سے چند گاؤں ملا شاہی باغ گاندربل تک آباد ہیں

اس وسیع میدانی قطعہ کی بلندی سطح سمندر سے پانچ ہزار دو سو فیٹ ہے۔ اس میدانی سطح میں بھی جا بجا پہاڑ اور پہاڑیاں ہیں مگر سلسلہ وار نہیں۔ اس وسیع میدانی قطعہ ارضی پر چند ندیاں اور ایک بڑا دریا جہلم بہ رہا ہے۔ جسکی نظیر دنیا میں نہیں ہے کہ اس قدر بلندی پر سیکڑوں میل طویل ایک دریا جاری ہے۔ یہ دریا ویری ناگ ایک چشمۂ ارضی سے نکلا ہے۔ جہاں پر جہانگیر کا بنوایا ہوا ایک خوشنما حوض ہے وہاں سے نالہ کی شکل میں چونتیس پینتیس میل کی مسافت طے کرتا ہوا اسلام آباد کے متصل ایک مقام پر جس کا نام کہنابل ہے وہاں سے عریض ہوگیا ہے۔ کہنابل میں کئی جانب سے کئی نالے آکر مل گئے ہیں اہربل آبشار کا نالہ اور سمنن سے جو نالہ آیا ہے اور مودری نالہ کا پانی یہ سب ملکر یہ دریا اس قدر وسیع ہوگیا ہے کہ یہاں سے بارہ مولا تک نو دمیل کشتی رانی ہوتی ہے۔ پھر بارہ مولا سے یہ دریا نالہ کی شکل میں بہتا ہوا سیکڑوں میل کی مسافت طے کرکے پنجاب میں شہر جہلم کے کنارہ بہت عریض ہوکر بہ رہا ہے۔ بارہ مولا کے بعد سے دریائے جہلم ایک نالہ کی شکل میں موجیں مارتا لہریں لیتا شور مچاتا ہوا کانوں کے پردے پھاڑتا پہاڑوں کے قدرتی دروں سے ہوتا ہوا نیچے اترتا ہوا پنجاب میں گرتا ہے اور پنجاب کے پانچ دریاؤں میں اپنا شمار بھی کراتا ہے زمین پنجاب کو مستفیض وسیراب ہزاروں سال سے کر رہا ہے۔ بارہ مولا کے بعد جو جہلم کی شکل نالہ کی ہوگئی ہے اس کا سبب یہ ہے دونوں جانب پہاڑوں کے سلسلوں میں سے ہوتا ہوا بہتا ہے اور رفتار سپولے کی سی ہے گھومتا بل کھاتا ہوا جاتا ہے۔ دونوں جانب کے پہاڑوں نے اس کو چوڑا ہونے نہیں دیا۔ راولپنڈی سے جو سڑک نکالی گئی ہے اسی نالہ کے کنارہ کنارہ سے جس طرح سے پہاڑوں کے بیچ میں سے یہ مڑتا موڑتا آتا بہ رہا ہے سڑک بھی اسی طرح نکالی گئی ہے جو بارہ مولا سے وسیع ہوگئی ہے

علاوہ اس دریائے جہلم کے چند بڑی بڑی جھیلیں بھی اس وسیع میدانی رقبہ میں ہیں - مشہور ڈل لیک جو سرینگر میں ہے - مانس بل - اولر جھیل - گنگا بل - ان کے کچھ حالات آئندہ لکھے جائیں گے - وادی کشمیر میں لاکھوں چشمے ہزاروں آبشار اور نالے ہیں - غرض جدھر آنکھ اُٹھاؤ پہاڑ اور پانی نظر آتا ہے - یہ تو قدرت کی جانب سے ہے - انسانی ہاتھوں نے چنار کے درختوں کا بکثرت اضافہ کر دیا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے کشمیر سے غرض پہاڑ پانی چنار - خود شہر سری نگر ایک شہر آبی معلوم ہوتا ہے جس طرح اٹلی میں وینس ہے - سری نگر میں ایک محلہ گپکار ہے اس کے متصل ایک پہاڑ ہے جو سری نگر سے ایک ہزار فیٹ بلند ہے اور سطح سمندر سے چھ ہزار دو سو فیٹ - کیونکہ سری نگر خود سطح سمندر سے پانچ ہزار دو سو فیٹ بلند ہے اس پہاڑ کو تخت سلیمان کہتے ہیں اس کا ذکر بتفصیل آگے آئے گا - اسپر سے وادی کشمیر کا نظارہ چاروں طرف بہت دور دور تک ایسا دلفریب ہے کہ قلم کو قدرت اس کے اظہار کی نہیں ہے - کشمیر ہی کے علاقہ میں شہر گلگٹ ہے - لداخ ہے اسکا دروہ ہے - ریاست پونچھ ہے - جموں شہر اور اس کے مضافات پنجاب میں واقع ہیں لیکن فرمان روائے کشمیر کے زیر فرمان ہے - کشمیر کے مختلف قطعات میں آب وہوا بھی مختلف ہے - بعض حصہ زیریں اس قدر گرم ہے کہ پنجاب کی گرمیوں کا مقابلہ کرتا ہے - بلند مقامات میں دوازدہ ماہ سردی رہتی ہے - بعض برفستانی مقامات میں اس قدر سردی اور برف باری کی شدت ہوتی ہے کہ سات ماہ انسان گھر سے باہر نہیں نکل سکتا اور بغیر آگ کے گزر نہیں - موسم باراں مخصوص نہیں ہے مگر اس قدر پانی برس جاتا ہے کہ کاشتکاری کے لئے کافی ہوتا ہے - باشندے مختلف اقوام کے ہیں - جو مختلف مقامات میں بستے ہیں - آرین نسل کے ڈوگرے فرمان روائے کشمیر مہاراجہ ہری سنگھ اسی نسل کے ہیں - علاوہ

ڈوگروں کے چھبالی - پہاڑی - کشمیری درد - تبتی جن کو لداخی کہتے ہیں اور بالٹی چھبا بھی کہتے ہیں - ڈوگرے اور چھبالی اصل میں ایک ہی نسل سے ہیں - چھبالی کل کے کل مسلمان ہو گئے اور ڈوگرے ہندو رہے کشمیریوں اور پہاڑیوں میں جو مسلمان ہو گئے ہیں آپسمیں شادی بیاہ ہونے سے اچھی نسل پیدا ہوئی ہے اور لوگ زن و مرد توانا اور صورت دار بعض حسین بھی ہوتے ہیں درد بھی اصل میں آرین ہندو تھے مگر سب کے سب مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ لوگ شمالی بلند پہاڑوں پر آباد ہیں - تبتی نسل کے لوگ وادی کشمیر کے شرقی حصہ میں آباد ہیں - غربی حصہ میں پٹھان افغان نسل کے ہیں -

تاریخ

کشمیر کے قدیم ہندوں اور بُدھ مذہب والوں کے زمانہ کی تاریخ جسپر صحیح معنوں میں تاریخ کا اطلاق ہو وہ تو موجود نہیں البتہ روایات دیومالا قصص مہاتماؤں اور رشیوں کے جو ہیں ان سے قدیم حالات کا کچھ پتہ چلتا ہے - کہنے کو تو چھ سات ہزار سال پیشتر کے قصے کہانیاں بیان کی جاتی ہیں ان میں ایسی باتیں بہت زیادہ ہیں جن کو عقل سلیم قبول نہیں کر سکتی ہے مثلاً آج سے چھ ہزار سال پیشتر وہ میدانی رقبہ ہزاروں مربع میل کا جس کو اوپر میں نے نظارہ قدرت خدا لکھا ہے ایک عظیم الشان تالاب کی شکل میں بتلایا جاتا ہے جسکی بلندی سطح سمندر سے پانچ ہزار دو سو فیٹ تمام رقبہ ارضی کی ہے - اس قیامت زا تالاب یا حلقہ آب کا نام ستی سُر تھا - اس نام کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ ہندوؤں کے ایک بڑے دیوتا جن کا نام بھگوتی ستی جی ہے عبادت کے لئے یہ مقام ان کو پسند تھا - اسی مقام کے پہاڑوں پر عبادت و ریاضت میں وہ مشغول رہتے تھے - لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر

آباد تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان بلند پہاڑوں کے جنکی بلندی سطح سمندر سے سات آٹھ ہزار فیٹ اور سطح سری نگر سے ڈھائی تین ہزار فیٹ بلند ہے بعض مقامات میں اس قسم کے نشانات ملتے ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ گھاٹ کے موقعوں پر کشتیوں کے باندھنے کے لئے بڑے بڑے پتھروں میں چھید کئے گئے ہیں جن کو آجتک ناؤ کا بندھن کہتے ہیں۔ اس قدر بلند مقام پانی سے لبریز تھا جسپر کشتیاں چلتی تھیں۔ یہ خطہ دلپذیر جس کو میں نے اوپر ہزاروں میل کا وسیع میدانی رقبہ کہا ہے ایک نامعلوم عرصہ سے پانی کے نیچے دبا ہوا تھا مگر اس خطہ میں آبادی بلند مقاموں پر تھی۔ اب بھی گوجروں کی بعض قومیں انہیں بلند پہاڑیوں پر معہ اپنے اہل و عیال و مال مویشی موسم بہار میں رہتی ہیں۔ یہ لوگ مضبوط اور شجیع ہوتے ہیں مثل عام کشمیریوں کے بزدلے نہیں ہیں اور یہ سب مسلمان ہیں۔ سرما کے شروع میں پہاڑوں سے اتر آتے ہیں۔ غرض یہ خطہ جو پانی کے نیچے سینکڑوں یا ہزاروں برس تک دبا رہا جس کو پہلے ستی سر کہتے تھے وہاں کسی مقام پر ایک آدم خور دیو رہتا تھا جس کا نام جلد ہو تھا یہ پہاڑوں کے باشندوں کو بہت تنگ کرتا تھا اور جس کو چاہتا نگل جاتا سیکڑوں برس لوگ اسکا ظلم سہتے رہے ان کے واویلا اور فریاد پر کشپ رشی کو جو سورج کا بیٹا بیان کیا جاتا ہے رحم آیا کشپ رشی کو بعض ہندو برہما کا پوتا بھی کہتے ہیں۔ یہ رشی ستی سر حد کی جانب آئے لوگوں کی فریاد سے متاثر ہو کر جلد ہو دیو کی بیخکنی کے لئے ریاضت و عبادت الہی میں مصروف ہو گئے ان کی مدد کے لئے مہادیو۔ بشن اور برہما جو ہندوؤں کے بڑے بڑے دیوتا ہیں موجود ہوئے پہاڑ کا وہ سلسلہ کاٹا گیا جو بارہ مولا کے متصل پانی کی نکاس کو روکے ہوئے تھا۔ اس پہاڑی سلسلہ کے کٹتے ہی سارا پانی بہ کر نیچے چلا گیا اور نیچے کی زمین نکل آئی۔ اس مقام پر جہاں اب کوہ ماران ہے جس کو

ہنود ہری پربت کہتے ہیں وہاں پانی کچھ رہ گیا تھا تو جلد ہو دیو وہاں چھپ کر بیٹھ گیا تھا بشن جی کو اس کی خبر ہوئی وہ پہاڑ کا ایک ٹیلہ اٹھا لائے اور جہاں وہ آدم خور دیو چھپا تھا اس ٹیلے کو رکھ دیا وہ دیو دب کر مر گیا۔ کشپ رشی نے اس مقام پر جو پانی کے بہ جانے سے نکل آیا تھا آبادی قایم کرنے کی غرض سے برگزیدہ برہمن بلائے۔ یہ آبادی کشپ کے نام سے کشپ میر کہلانے لگی جو لفظ بگڑتے بگڑتے کشمیر ہو گیا۔ میر کے معنی مکان کے ہیں یعنی کشپ کا مکان حقیقت یہ کچھ ہی ہو پہاڑ کاٹا گیا یا کیا افتاد ہوئی کہ پانی نکل گیا اور وہ خطہ جو تالاب کی شکل میں تھا اب گلشن جنت نظیر ہے۔

یہ واقعہ جو اوپر بیان ہوا چھ ہزار سال پیشتر کا بیان کیا جاتا ہے مگر کوئی مستند و مسلسل تاریخ ہندوؤں کے زمانہ کی نہیں ہے کشمیر کے ہندوؤں کی قدیم زمانہ کی تاریخ راج ترنگنی ہے۔ اسکے مصنف نے کشمیر کی ملکی تاریخ راجہ ارگوبند کے زمانہ سے شروع کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ باون راجہ وفات مسیح تک گزرے۔ مدت سلطنت ان سب راجاؤں کی چودہ ہزار باسٹھ سال بتلائی جاتی ہے ۸۷۳ء میں اودنتی ورما کے خاندان میں کشمیر کی سلطنت منتقل ہوئی جسکے نام اودنتی پورہ آباد ہوا اسکا ذکر آگے آئے گا۔ کشمیر کے حکمرانوں میں دو رانیاں بھی اولوالعزم گزری ہیں سوگندرانی اور ویدارانی۔ آخر الذکر رانی کے بعد جو سنگہ راجہ ۱۱۰۰ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا راج ترنگنی تاریخ اسی کے عہد میں لکھی گئی۔ اسکے بعد کے چند راجاؤں نے کشمیر کی حالت ابتر کر دی تھی۔ تبت کے راجہ کا بیٹا کشمیر میں مقیم تھا اسوقت وہاں کے راجہ کو بیوقوف کمزور پا کر عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کا نام رتن جیو تھا جس نے اسلام قبول کیا۔

اسلامی عہدِ حکومت

مسلمانوں کے عہدِ حکومت کی مفصل اور مستند تاریخیں فارسی اور اُردو میں متعدد ہیں مسلمانوں کو ہر زمانہ اور ہر ملک میں تاریخ نویسی کا خیال و شوق ہمیشہ رہا اس لئے ان کے عہد کے حالات مستند ہیں۔

ساتویں صدی ہجری میں کوئی مسلمان کشمیر میں نہ تھا۔ تمام ملک میں ہندو اور بودھ مذہب کے پیرو بستے تھے۔ بودھ مذہب والوں کی اصلیت بھی ہندو ہے۔

سنہ ۲۵ء میں ایک سیلانی فقیر بلال شاہ نامی کا گزر سری نگر دار السلطنت کشمیر میں ہوا یہ بڑے زبردست عالم و عامل تھے۔ راجہ رتن جیو تبت کے راجہ کا بیٹا جو بودھ مذہب رکھتا تھا اور سریر آرائے سلطنت ہو گیا تھا اس کو جب بلال شاہ کے وارد سری نگر ہونے کی خبر ملی تو دربار عام میں بڑے بڑے برہمن شاستریوں کو جمع کر کے شاہ صاحب سے مذہبی مباحثے کروائے شاہ صاحب سے مذہبی مباحثے کروائے۔ شاہ صاحب نے سب پنڈتوں کو قائل کیا۔ راجہ متاثر ہوا برہمنوں کی مغلوبیت دیکھکر مشرف باسلام ہوا اور اس کے ساتھ سیکڑوں ہندو بیک وقت مشرف باسلام ہوئے راجہ رتن جیو نے اپنا نام صدر الدین رکھا۔ اسکے آخر عہد میں ایک ترکی سلمان شاہ میر نامی صاحب اقتدار ہو گیا صدر الدین لاولد مرا۔ کشمیر کا بادشاہ شاہ میر ہو گیا اور اپنا لقب شمس الدین رکھا سنہ ۱۳ء سے سنہ ۱۵۵۴ء تک۔ اسکے خاندان میں سلطنت رہی اس خاندان کے مشہور سلاطین شہاب الدین۔ قطب الدین۔ سلطان سکندر بت شکن۔ سلطان زین العابدین معروف بہ بڈشاہ بڑے اولوالعزم سلاطین گزرے ہیں سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ یعنی بڑا شاہ جو درحقیقت اسم باسمیٰ تھا بہت ہی روشن خیال سخی مجمع علم دوست تھا اور عرصہ دراز تک

سلطنت کی۔ کشمیر میں اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے بڑی ترقی ہوئی۔ مدرسے جا بجا قائم کئے گئے حمام تعمیر کئے گئے عالی شان عمارتیں بنیں۔ ہندوؤں کیساتھ وہی سلوک تھا جو مسلمانوں کے ساتھ ہندو ابتک بڈشاہ کے نام کی پرستش کرتے ہیں جہاں مساجد بنوائے ہندوؤں کے ملئے مندر بنوائے۔ دلوں میں اسکی یاد اب بھی تازہ ہے۔ باوجودیکہ صدیاں گزریں مگر میں نے خود دیکھا کہ ہر دو فرقے ہندو مسلمان اس کا نام احترام سے لیتے ہیں۔ اس خاندان کا اخیر بادشاہ سلطان حبیب شاہ تھا اس کے عہد میں قوم چک کا جو مسلمان تھے بڑا عروج ہوا۔ سلطان حبیب شاہ جو بالکل نااہل تھا اس کو تخت سے اُتار کر قوم چک کا ایک سردار غازی خاں چک تخت پر بیٹھ گیا چک خاندان کے چار بادشاہ ہوئے۔ جو تھے حکران کے زمانہ میں خانہ جنگیاں کشت و خون ہونے لگا۔ بدنظمی بڑھ گئی جسکی خبر اکبر اعظم شہنشاہ ہند کو ہوئی۔ اس نے کشمیر پر چڑہائی کی۔ پہلا حملہ شدت برفباری کیوجہ سے ناکام رہا دوسرے حملہ میں کشمیر فتح ہو گیا۔ مغلوں کا قبضہ کشمیر پر ہو گیا۔ مغلیہ سلاطین کی جانب سے ایک گورنر رہنے لگا۔ اکبر کشمیر میں دو دفعہ آیا۔ ہری پربت کا قلعہ نسیم باغ وغیرہ اکبر کے حکم سے تعمیر پائے۔ جہانگیر تو کشمیر کا گرویدہ ہی تھا۔ ہر موسم گرما میں معہ نور جہاں بیگم یہیں آکر رہتا تھا۔ کشمیر کی خاطر آگرہ سے دار السلطنت کو لاہور بوجہ قربت کے منتقل کیا تاکہ آنے جانے میں مسافت کم ہو۔ شاہ جہاں زمانہ شہزادگی میں بھی باپ کے ساتھ کشمیر آیا اور جہانگیر کے بعد کئی دفعہ آیا۔

اورنگ زیب عالمگیر دکن کے فتوحات اور مرہٹوں کی سرکوبی میں اس درجہ مشغول و مصروف رہا کہ کشمیر صرف دو دفعہ آیا بعض مورخ لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب صرف ایک دفعہ کشمیر آیا اسوجہ سے یہاں کے انتظامات میں ابتری ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانی آدھمکے اور احمد شاہ درانی والی افغانستان کا باجگزار صوبہ کشمیر ہو گیا۔ کشمیر میں مسلمانوں کی سلطنت پانچ سو سال رہی افغان سرداروں کی باہمی کشیدگی کیوجہ سے بدامنی ہو گئی۔ رنجیت سنگھ قوم سکھ جسکے قبضہ میں پنجاب

کیا تھا اسنے کشمیر پر ایسے وقت حملہ کیا کہ افغانی فوج وہاں بہت تھوڑی تھی
کامیاب ہو گیا اور اپنا گورنر وہاں مقرر کیا۔ اسکے خاندان میں صرف ستائیس سال
کشمیر کی حکومت رہی۔ انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے رفتہ رفتہ جب
انڈیا میں زور پکڑا اور تاجروں کی حیثیت بدل کر یہ کمپنی حکمراں ہو گئی سکھوں
سے پنجاب میں کئی لڑائیاں ہوئیں آخر میں یہ کمپنی غالب آئی اور رنجیت سنگھ کا
خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔ سکھوں کے مملوکات و مقبوضات پر بھی کمپنی نے قبضہ
کر لیا۔ کشمیر بھی انگریزوں کے قبضہ میں بغیر لڑے بھڑے آگیا جس زمانہ میں
پنجاب رنجیت سنگھ کے قبضہ و اقتدار میں تھا۔ ایک شخص گلاب سنگھ نامی قوم
ڈوگرا خلف راج دیو رنجیت سنگھ کے دربار میں کسی چھوٹی خدمت پر ملازم ہوا
ترقی کرتے کرتے اس درجہ کو پہنچا کہ جموں کا راجہ بنا دیا گیا اور صاحب دولت
و ثروت ہو گیا۔ انگریزوں نے جب پنجاب فتح کر لیا اور کشمیر کے بھی مالک بن گئے
تو انگریزوں کی کمپنی کو روپوں کی ضرورت لاحق حال ہوئی۔ انگریزوں کو
کشمیر کے حالات سے بھی بخوبی واقفیت نہ تھی گلاب سنگھ جموں کے راجہ کے ہاتھ پچھتر
لاکھ کو کشمیر فروخت کیا گلاب سنگھ کو مہاراجہ کا خطاب دیا۔

کشمیر کی قدرتی خوبیاں

سیاحان یورپ و امریکہ کشمیر کو ایشیا کا سوئیزرلینڈ کہتے ہیں مگر میرے
خیال میں چونکہ سوئیزرلینڈ کو بھی میں نے دیکھا خصوصاً جینوا جھیل کے
کنارہ کے مقامات لوزان وشی مونترو یراتے وغیرہ کو اچھی طرح دیکھا کشمیر مناظر
وغیرہ کے لحاظ سے سوئیزرلینڈ سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ سوئیزرلینڈ بھی کوہستانی
ملک ہے اور کشمیر بھی کوہستانی ہے۔ وہاں بھی پہاڑوں اور پانی کی کثرت
ہے یہاں بھی وہی حالت ہے مگر کشمیر میں بہت زیادہ ہے اور یہاں کے پہاڑوں
کی بلندی کے مقابلہ سوئیزرلینڈ کا ایک پہاڑ بھی نہیں ہے۔ کشمیر میں صانع حقیقی

نے پیچ و آبشار و مرغزار اور پہاڑوں کو اس ترکیب سے مخلوق کیا ہے کہ ان کی
دلفریبیوں کی ثنا و صفت ناممکن ہے سوئیزرلینڈ کو ایک گونہ جو برتری حاصل
ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سوئیزرلینڈ یورپ میں واقع ہے اہل یورپ کی موجودہ
تہذیب و تمدن نے سوئیزرلینڈ کو چار چاند لگا دیئے ہیں جو اس کی آراستگی
و پیراستگی کا باعث ہے۔ کشمیر میں انسانی صنعت اور انسانی ہاتھوں نے عہد
مغلیہ میں جو کچھ کام کیا باغات محل سرائے بنائے اور ان کو آراستہ کیا اسنے قدرت
و فطرت کو کچھ عرصہ تک جلا دی مگر سوئیزرلینڈ میں علاوہ قدرتی خوبیوں کے
انسانی ہاتھ اور انسانی صنعت صدیوں سے مشغول کار رہیں۔ وہاں عموماً
پہاڑوں کا سلسلہ زیادہ طویل نہیں اور پھر بلندی میں بھی دو ہزار سے چار
ہزار فیٹ تک ہے۔ ان کی آراستگی میں انسانی ہاتھ کام کرتے رہتے ہیں اوپر
جانے کے لئے کئی کئی راستے اور برقی ٹرینیں موٹریں چلتی رہتی ہیں تمام پہاڑوں
پر بنگلے اور باغات بنائے گئے پہاڑوں پر جا بجا ہوٹل ہیں گرجے ہیں ہر جگہ اقسام
کی نعمتیں موجود۔ وہ باتیں کشمیر کو کہاں نصیب سوئیزرلینڈ کی پہاڑیوں پر ہر جگہ
آرائش و آسائش کے سامان موجود۔ علاوہ ہوٹلوں کے جا بجا نہایت سجے سجائے
ریستوران قائم ہیں۔ وہاں سامان معاشرت موجودہ معیار تمدن مغربی کے
لحاظ سے مہیا کیا گیا ہے۔ یہ باتیں کشمیر میں مفقود کشمیر میں عہد ہائے جہانگیری
و شاہجہانی کی کچھ نشانیاں آثار قدیمہ کی شکل میں پائی جاتی ہیں کشمیر کے
باشندے بمقابلہ سوئیزرلینڈ کے باشندوں کے جاہل محض اور مفلس جن کو
پیٹ پالنے تک کا ذریعہ نہیں وہ آرائش کا خواب کہاں دیکھ سکتے۔ سوئیزرلینڈ
کو نکھارنے اور سنوارنے میں انسانی صناعیوں نے بڑی مدد دی ہے صرف
قدرتی خوبیوں کا اگر مقابلہ کریں تو کشمیر بڑھا ہوا ہے۔ اسکی تصویر بڑے سے
بڑا مصور بھی کھینچنے میں عاری ہو گا میرے کمزور قلم سے اسکے خوبیوں کی تصویر
کیا کھینچ سکتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

پہاڑوں میں یہ میدان وسیع اللہ کی قدرت۔ اور اس میدان کو ہر سو پہاڑوں سے گھرا پایا کشمیر ایک صدا بہار باغ یہ قدرت کا لگایا ہوا ہے یا ایک قلعہ جو اپنی حصار کئے ہے امرا کے لئے گلشن روح افزا شاعروں اور درویشوں کے لئے خلوت کدہ دلکشا۔ آبہائے رواں کی خنکی و شفافی شرح و بیان سے باہر۔ چشمے اور آبشار شمار سے باہر۔ موسم بہار میں کوہ و دشت شگوفوں اور پھولوں سے مالا مال۔ گھروں کی دیوار و بام گلہائے گوناگوں سے لدے اور بھرے۔ موسم خزاں میں میووں کی وہ کثرت کہ امیر و غریب سب سیر ہوں حتی کہ جانور بھی پیٹ بھریں۔ یہاں کے دلفریب مناظر قدرت احاطہ تحریر و تقریر سے بالا۔ جہانگیر تو کشمیر کا عاشق و شیدا تھا اس نے کشمیر کی تعریف میں دریا بہائے ہیں ایک شعر میں کہتا ہے:

از شاہ جہانگیر در نزع چو پرسید — باحسرت دل گفت کہ کشمیر دگر ہیچ

کشمیر کے دلکش گوناگوں نظاروں کو انسان کہاں تک دیکھ سکتا ہے۔ ہر ایک کی خوبی نرالی ہر ایک کرشمہ جدا۔ ہر ایک ادا انوکھی۔ مندرجہ ذیل رباعی کشمیر پہ صادق آتی ہے: جنگل میں پھروں کہ کوہ و صحرا دیکھوں: یا معدن کوہ و دشت و دریا دیکھوں

ہر جا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے — حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

ہر مقام کا منظر یہی کہتا ہے ع کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست:

پھر صحت آور روح پرور آب و ہوا کی خوبیاں مسیحائی کرتی ہیں مردوں کو زندہ کر دکھاتی ہیں بقول عرفی:

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید: — گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

حقیقت یہ ہے کہ مادہ پرست دہریہ بھی کشمیر میں آ کر یہاں کے سر بفلک پہاڑوں، حیات دہندہ برف سے سرد و شیریں و شفاف چشموں کے پانی کی روانی، سبزہ زاروں، انواع و اقسام کے لذیذ میووں کے درختوں شفاف پانی کی متعدد جھیلوں۔ سبز مرغزاروں باغوں بعض دہشت دہندہ خوفناک پہاڑوں کی چڑھائی

اترائی کو دیکھ کر قادر مطلق کی ہستی کا بے چون و چرا ضرور قایل ہو جائے گا کشمیر کی خوبیاں بے شمار ہیں ؎

کشمیر مگو رشک پری خانہ چنیں است — القصہ بہشتے ست کہ بر روئے زمین است

یہاں کے پہاڑوں اور سبزہ زاروں میں جو جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں وہ حیرت انگیز تاثیر رکھتی ہیں مثلاً بنفشہ اور اس کا پھول۔ اسطوخودوس۔ گل گاؤزبان کنگچھی خودرو اور متعدد اقسام کی بوٹیاں جو دواؤں میں کام آتی ہیں۔ زعفران و شاہترا۔ یہیں کی پیداواریں ہیں۔

کشمیر کے آنے جانیکے راستے

قدیم راستے بہت خوفناک تھے۔ پچھلے زمانہ میں ہزارہ اور پونچھ کے بلند پہاڑوں اور پگڈنڈیوں کو طے کرتا ہوا جان بکف مسافر باب الکشمیر یعنی بارہ مولا تک پہنچتا تھا وہاں سے کچھ میدانی کچھ پہاڑی راستے طے کر کے سری نگر پہنچ جاتا تھا یا دریائے جہلم سے بارہ مولا پہنچ کر کشتیوں سے آتا تھا۔ اکبر اسی دہشتناک راستہ سے دو دفعہ کشمیر آیا۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ عالمگیر نے دوسرا راستہ گجرات سے ٹھنہ۔ بہرام گلہ کا نکالا۔ اس راستہ میں سیکڑوں ندی نالے پہاڑ کی اتار چڑھائی طے کرنا پڑتی تھی۔ جا بجا سرائیں بنائی گئی تھیں تاہم بہت خوفناک راستہ تھا انہیں اولوالعزم سلاطین کے دل گردے تھے کہ دہشت چھو نہیں گئی تھی۔ قدسی نے جو شاہجہان کا درباری شاعر تھا اور شاہجہاں کے ہمرکاب کشمیر آیا کرتا اس راستہ کی دہشتناک و دشوار گزاری کی نسبت بہت سے شعر کہے ہیں منجملہ جن کے مندرجہ ذیل دو شعر لکھتی ہوں ؎

رہ فقر از رہ کشمیر پیداست — کہ گام اول از ترک دنیاست

وریں رہ چوں آساں گزشتن — کہ کام اول است از جاں گزشتن

لہ یہ وہ مقام ہے جہانگیر کشمیر سے واپس آتے وقت انتقال کر گیا کچھ دنوں لاش یہاں امانت رہی پھر لاہور لائی گئی

غرض لاہور سے یا راولپنڈی سے کشمیر تک کوئی سڑک نہ تھی۔ شاہی سواری کے ساتھ خیمہ و خرگاہ ہزاروں آدمیوں کا لشکر رہتا تھا۔ راستہ کا پتہ لگانا اور حسب ضرورت پل بناتے جانا سفر مینا کے لشکریوں کا کام تھا۔ زمانہ حال میں راولپنڈی سے کوہ مری تک انگریزی فوج و حکام کے رہنے کے لئے انگریزوں نے سڑک بنوائی پھر کوہ مری سے کوہالہ تک بھی انگریزوں نے سڑک بنوائی یہاں انگریزی علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ راولپنڈی سے آٹھ دس میل سطح سڑک طے کرنے کے بعد پہاڑی چڑھائی اور اترائی شروع ہوتی ہے۔ کوہالہ مہاراجہ کشمیر کا علاقہ ہے اس مقام پر دریائے جہلم ایک عریض نالہ کی شکل میں ملتا ہے یہاں سے بارہ مولا تک دونوں جانب سربفلک پہاڑ ہیں اور پہاڑوں کو کنارہ کنارہ کاٹ کر جہلم جس طرح پیچ کھاتا ہوا بہتا ہے سڑک نکالی ہے۔ پہاڑوں کی توڑائی کٹائی میں لاکھوں روپئے مہاراجہ کشمیر کے صرف ہوئے اور بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ کوہالہ سے بارہ مولا تک ۱۸۹۰ء میں سڑک تیار ہوئی تھی۔ ندی نالوں اور دریاؤں پر جو پل بنائے گئے چھوٹے بڑے سب ملا کر دو ہزار کی تعداد بتلائی جاتی ہے۔ بارہ مولا سے سری نگر تک لوگ کشتیوں میں جاتے تھے اور بارہ مولا تک تانگوں بنڈیوں اور گھوڑوں پر۔ ۱۸۹۷ء میں بارہ مولا سے سری نگر تک دریا کا کنارہ چھوڑ کر میدانی راستہ سے سڑک نکالی گئی۔ اب راولپنڈی سے سری نگر تک ہر قسم کی سواری موٹریں لاریاں وغیرہ جاتی ہیں۔ اسی سڑک کا نام جہلم ویلی روڈ ہے۔

منزل بمنزل ڈاک بنگلے بنوا دیئے گئے ہیں ۱۹۲۲ء میں جموں سے سری نگر تک مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانہ میں بڑے بڑے پہاڑوں پر سے ہوتی ہوئی ایک سڑک بنائی گئی۔ اس پر ریاست کے دس بارہ کروڑ روپے صرف ہوئے۔ اس سڑک پر سے بھی موٹریں آتی جاتی ہیں۔ یہ سڑک چھ سات مہینے کھلی رہتی ہے پھر برف باری کی وجہ سے بند ہو جاتی ہے۔ یہ سڑک چھ سات ہزار فیٹ بلند پہاڑوں پر سے آتی ہے۔ یہ جموں روڈ کہلاتی ہے۔ مگر زیادہ کثرت مسافروں

اور سواریوں کی جہلم ویلی روڈ پر رہتی ہے۔ دوازدہ ماہ اس پر سے لوگ آتے جاتے ہیں اس سڑک پر جہاں جہاں سربفلک کچی مٹی کے پہاڑ ہیں وہ مقامات اندیشہ ناک ہیں۔ بڑی بڑی چپیاں اور مٹی کے تودے اوپر سے موسم باراں میں گرتے ہیں جن کے صاف کرنے کے لئے مدد ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اگر کسی سواری یا مسافر پر چپٹی گرے تو فیصلہ ہی ہے۔

اس سڑک پر بعض جگہ مناظر بہت دلکشا ہیں اور بعض مقام بہت خوفناک و ہیبت زدہ و جس کا اظہار ناممکن دیکھنے سے تعلق ہے۔ اس سڑک پر بہت سے حادثے ہوئے ہیں۔ بارہ مولا سے سری نگر تک ۱۸۹۳ء میں جو سڑک بنائی گئی ہے وہ لارڈ ہیڈلے کی نگرانی میں تھی اس زمانہ میں لارڈ ہیڈلے لارڈ نہیں ہوئے تھے برٹش انڈیا میں انجنیری کی خدمت پر ملازم تھے۔ ریاست کشمیر نے انکی خدمات مستعار گورنمنٹ انڈیا سے لی تھی میں جہلم ویلی روڈ سے کشمیر گئی اور واپس بھی اسی سڑک سے آئی۔

الراقمہ

صغرا ہمایوں مرزا

حیدرآباد دکن۔ جنوری ۱۹۲۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رہنمائے کشمیر

۱۹۲۸ء میں بیرسٹر صاحب کا مزاج ناساز تھا کرنل اینڈرسن رزیڈنسی سرجن کا علاج تھا انھوں نے کشمیر بغرض تبدیل آب و ہوا جانے کا مشورہ دیا یا کلمبو (سیلون) جانے کا آخر وقت تک ہمارا خیال کلمبو جانے کا تھا لیکن میرے چند عزیزوں کا اصرار ہوا کہ ہم کشمیر جائیں اخبارات سے معلوم ہوا تھا کہ کلمبو میں سخت بارش ہو رہی تھی اس لئے کشمیر جانے کا قصد مصمم کر لیا بروز شنبہ ۸ / جولائی ۱۹۲۸ء م ۱۸ / محرم ۱۳۴۷ھ شب کے نو بجے سکندرآباد کے ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہوئے سکندرآباد سے لاہور تک سکنڈ کلاس کا کرایہ فی کس ؎ اور تھرڈ کلاس کا کرایہ فی کس ؎ ۔ بیرسٹر صاحب و میں اور میرے ایک چھوٹے بھائی لفٹنٹ حمید علی مرزا اور دو ملازم روانہ ہوئے ۔ دوسرے روز صبح کو پورنا اسٹیشن پر ٹرین پہنچی چائے اور ناشتہ وہیں کیا ۔ ٹرین نصف گھنٹہ کھڑی رہتی ہے ۔ تیسرے پہر کو چار بجے منماڑ اسٹیشن پہنچے ۔ یہاں ٹرین بدلنی ہوتی ہے شب کے آٹھ بجے تک منماڑ میں ٹھہرے آٹھ بجے دوسری ٹرین سے روانہ ہوئے ۔ تیسرے دن بھوپال پہنچے ۔ وہاں اسٹیشن پر اخبار خریدے ۔ افسوس کہ بھوپال کے شہر سے ایک اخبار بھی اردو یا انگریزی زبان میں نہیں نکلتا ہے باہر کے آئے ہوئے اخبار اسٹیشن پر بکتے ہیں ۔ ریل میں بیٹھے بیٹھے طبیعت اکتا گئی کہاں تک کوئی اخبار پڑھے ۔ یک بیک خیال آیا لاہور میں

ایک روز قیام ضرور کرنا ہے ۔ تاکہ وہاں کے آثار قدیمہ دیکھیں نور جہاں کے مزار کو دیکھنے کی آرزو ایک عرصہ سے تھی نور جہاں کے مزار پر چڑھانے کے لئے چند اشعار لکھنا چاہیئے ۔ بے فکری تو تھی ۔ چند اشعار موزوں کر لئے مجھے شاعری سے دلچسپی نہیں ہے کبھی کبھار کچھ موزوں کر لیتی ہوں ۔ چار بجے گوالیار کے اسٹیشن پر ٹرین پہنچی ۔ اسٹیشن سے مہاراجہ گوالیار کے مکانات دکھائی دیتے ہیں ۔ مکانات بہت خوبصورت ہیں ۔ شہر بھی اچھا معلوم ہوتا ہے سڑکیں کشادہ ہیں ۔ اسکے بعد متھرا کا اسٹیشن آیا پھر آگرہ آیا ۔ سر مغرب دہلی آئی ۔ شب کا کھانا دہلی کے اسٹیشن پر کھایا رات تمام ریل میں گزری ۔

لاہور پہنچے

۱۱ / جولائی ۔ صبح کے آٹھ بجے ہماری ٹرین لاہور پہنچی ۔ اسٹیشن پر ہوٹلوں کے دلالوں نے ناک میں دم کر دیا ۔ اکسلیئر ہوٹل میں جا کر ٹھہرے ۔ اس ہوٹل کے برابر ڈاکٹر سر محمد اقبال رہتے ہیں ۔ پھاٹک پر ان کے نام کا بورڈ لگا تھا ۔ بیرسٹر صاحب انسے ملنے گئے کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کیا ۔ تین بجے گو دھوپ اور گرمی کی شدت تھی مگر دلی اشتیاق بُرا ہوتا ہے نور جہاں کا مزار دیکھنے کی غرض سے نکلے گرمی سے بری حالت تھی چونکہ کشمیر جلد جانا تھا اس لئے گرمی کا خیال نہ کیا ۔ نور جہاں کا مزار بالکل جنگل میں ہے ۔ موٹر سے اُتر کر پیدل چلنا ہوتا ہے ۔ فاتحہ پڑھی ۔ دل کی عجب حالت تھی دماغ میں عجیب عجیب خیالات جوش زن تھے نور جہاں کا بے مثل حسن اسکا علم اسکا ہنر اسکی عقل و ذہانت کی تیزی اس کی سلطنت آرائی ان سب کو مٹی کے ڈھیر کے نیچے دبا ہوا دیکھکر حسرت والم کی انتہا نہ تھی پھر دوسرا خیال آیا کہ اس مٹی کے ڈھیر سے ہوا کے ذریعہ اس کا نام باوجود سیکڑوں برس گزر جانے کے ابتک تمام دنیا میں مشہور ہو رہا ہے اور تا قیامت مشہور رہیگا ۔ ایک چبوترے پر دو مزار ہیں اور اس پر مختصر سا گنبد ہے ایک

مزار نورجہاں کا ہے دوسرا اسکی لڑکی کا ہے۔ میں نے یہ سنا تھا کہ نورجہاں کے مزار پر یہ شعر کندہ ہے ؎

برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پرے پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

یہ شعر کہیں بھی لکھا نہ دیکھا۔ معلوم ہوا کہ جب رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کر لیا تو نورجہاں کے مقبرہ کی حالت خراب کر دی۔ حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم نے ایک قطعہ تاریخ لکھکر ایک پتھر پر کندہ کروایا ہے اور وہ ایک جانب رکھا ہوا ہے وہاں سے ہم جہانگیر کے مقبرہ میں گئے۔ اس مقبرہ کی تعریف زبان قلم سے کیا ہو سکتی ہے۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ نورجہاں جیسی چہیتی بی بی اور شاہجہاں جیسے سعادتمند فرزند نے بنوایا۔ جہاں یہ مقبرہ ہے ایک عظیم الشان باغ نورجہاں کا تھا۔ شاہجہاں تو عمارتوں کا شیدائی تھا جسکی یادگاریں آگرہ کا تاج محل۔ دلی کا لال قلعہ وغیرہ اسکی دریادلی اور اولوالعزمی نفاست مذاق کی شاہد حال ہیں۔ پھاٹک سے مقبرہ تک پیدل جانا ہوتا ہے۔ موٹر پھاٹک کے اندر نہیں جاتی۔ باغ بہت عالیشان ہے وہاں سے مولوی میر ممتاز علی صاحب ایڈیٹر و مالک رسالہ تہذیب نسواں کے ہاں ہم سب گئے یہاں معلوم ہوا کہ ہمارے ملنے والے جان پہچان حضرات موسم گرمی کی وجہ سے لاہور سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ کچھ دیر ٹھہرے مولوی صاحب سے باتیں رہیں دوسرے روز صبح کو سر محمد اقبال صاحب کے ہاں سے موٹر آئی ان کی بی بی سے ملنے گئی اور سر محمد اقبال سے اپنے اوٹوگراف البم میں کچھ لکھوا کر جو نظم میں نے نورجہاں کی شان میں لکھی تھی وہ انہیں دکھائی انھوں نے پسند کی ؏

نظم

اے خوشا وقت کہ ہوں آج میں آئی لاہور
میری دیرینہ تمنا مجھے لائی لاہور

مرقد نورجہاں دیکھنے کی خواہش تھی
آرزو ہو گئی پوری مرے خالق دل کی

زندگی میں تھی ترے نور سے دنیا تاباں
بعد مرنے کے ہی لاہور اسی سے رخشاں

تیرے ہی فیض سے لاہور ہے ممتاز جہاں
ورنہ لاہور کو یہ شہرت و اعزاز کہاں

معدن علم و ہنر مخزن اخبار ہے یہ
باعث اقبال کا ہو دافع ادبار ہے یہ

زندگی زندہ دلوں ہی سے ہوا کرتی ہے
نہیں اس جا پہ کسی طرح کی جنگی ہے

ہیں اوبا بھی مصنف بھی یہاں کے ممتاز
شاعروں نے بھی یہاں خوب دکھائے اعجاز

شہر میں نور نمایاں در و دیوار سے ہے
رونق شہر اسی شمع ضیا بار سے ہے

سارے ایرانیوں کو فخر نہو کیوں تجھسے
خوب دنیا میں کیا نام بڑے کام کئے

کوئی مرقد کی زیارت کو جو آجاتا ہے
حسب دستور جہاں پھول چڑھا جاتا ہے

ہے تری خاک کے ہر ذرہ پہ خورشید نثار
عوض لالہ و گل لائی ہوں میں نظم کے ہار

مجھکو معلوم ہے جو کچھ ہے حقیقت میری
پر ہے مقصود کہ ظاہر ہو عقیدت میری

بس اسی واسطے یہ شعر حیا نے لکھے
پھول کے بدلے چڑھاے کہ مری یاد رہے

سر محمد اقبال صاحب کے پاس سے ہوٹل میں واپس آ کر سفر کی تیاری میں مشغول ہوئی آج گیارہ بجے کی ریل سے بقصد کشمیر راولپنڈی روانہ ہونے والی تھی کہ مسٹر عزیز احمد بیرسٹر آئے اور بیرسٹر صاحب سے بڑی گرمجوشی سے ملے۔ مسٹر عزیز احمد بیرسٹر صاحب کے دوست ہیں اور کلکتہ ہائی کورٹ میں جس زمانہ میں بیرسٹر صاحب پریکٹس کرتے تھے مسٹر عزیز احمد بھی وہیں پریکٹس کرتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ ان دونوں صاحبوں میں بیحد اتحاد تھا۔ بیرسٹر صاحب حیدرآباد چلے آئے اور مسٹر عزیز احمد راولپنڈی میں پریکٹس کرنے گئے اب لاہور میں پریکٹس کر رہے ہیں۔ مسٹر عزیز احمد نے سخت مجبور کیا کہ کم از کم ایک دن تو ان کے ہاں مہمان رہیں۔ چنانچہ ہوٹل سے مسٹر عزیز احمد کے مکان میں گئے۔ تیسرے پہر کو شہر دیکھنے گئے۔ قدیم شہر بہت گنجان اور میلا ہے۔ سڑکیں اسقدر تنگ کہ دو موٹریں بدقت ایک وقت گزر سکتی ہیں۔ شہر کے تیرہ دروازے ہیں جنہیں سے بعض کے نام یہ ہیں موچی دروازہ دلی دروازہ شاہ عالمی دروازہ۔ بھیری دروازہ۔ لاہوری دروازہ وغیرہ۔ شہر کے باہر بہت چوڑی اور صاف ستھری سڑکیں ہیں۔ مکانات بھی عالیشان ہیں بعض

سڑکوں کے کنارہ نہریں جاری ہیں سڑکوں کے دونوں جانب سایہ دار درخت ہیں۔ باوجودیکہ گرمی شدت کی ہے مگر درخت سرسبز و شاداب ہیں۔ دکانیں شہر کے باہر کی بہت عالیشان ہیں۔ لاہور بہت خوبصورت شہر ہے اور بہت کھلا ہوا ہے۔ ۱۱ر جولائی چائے اور ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد شالامار باغ دیکھنے گئے۔ بہت ہرا بھرا باغ ہے چاروں طرف لمبے لمبے حوض ہیں بیچ میں ایک عمارت ہے جہاں سے شاہجہاں اور ممتاز محل باغ کی سیر کیا کرتے تھے ایک حوض میں ڈیڑھ سو فوارے ہیں باقی میں بیس بیس فوارے ہیں۔ آم اور جامن کے درخت بہت ہیں۔ ایک طرف حمام بنا ہوا ہے باغ بے نظیر ہے۔ وہاں سے واپس آکر سامان بندھوایا شب کے آٹھ بجے کی ٹرین سے راولپنڈی روانہ ہوئے۔ پہلے سے ایک خط مسٹر علی بھائی کو لکھدیا تھا۔ ۱۲ر جولائی صبح کے چھ بجے راولپنڈی پہنچے۔ علی بھائی ماموجی کو علاوہ خط کے بوقت روانگی لاہور سے تار بھی دیدیا تھا اس لئے اسٹیشن پر موٹر اور آدمی موجود تھے۔ علی بھائی صاحب بہت بڑے تاجر ہیں راولپنڈی میں مسلمانوں میں ان کے برابر کوئی دولتمند و صاحب اثر و باوقار نہیں ہے۔ چار بھائی ہیں ان لوگوں کے حالات انشاءاللہ تعالی کشمیر سے واپسی کے وقت لکھونگی۔ اسٹیشن سے علی بھائی صاحب کے ہاں گئے ناشتہ تیار تھا۔ چائے اور ناشتہ ہم لوگوں نے کیا۔ ہمارے لئے کرایہ کی موٹر کار تیار کھڑی تھی۔ کرایہ کے موٹر کی پنڈی میں دو کمپنیاں مشہور ہیں۔ ایک عطا محمد خاں کی دوسری سوہن لال کی۔ ہمارے لئے عطا محمد کی ایک بیوک کار کرایہ پر سری نگر تک کے لئے ۷۵ روپے پر مقرر کر لی گئی۔ موٹر کا کرایہ موسم کے لحاظ سے بڑھتا گھٹتا رہتا ہے پنڈی کے قانون کے لحاظ سے ہر ایک موٹر میں پانچ آدمیوں سے زیادہ بیٹھنے کی ممانعت ہے۔ پانچ میں ڈرائیور بھی شامل ہے۔ ہمارے ایک آدمی کے لئے موٹر لاری کا جسمیں خاص و عام سب بیٹھتے ہیں ایک ٹکٹ سات روپیہ کا خریدا گیا دو روپے اور اس کو زمین کے محصول کے لئے جس کو ٹول ٹیکس کہتے ہیں دیا گیا۔ ہمارا سامان ہماری موٹر کے پیچھے باندھا گیا۔ صبح آٹھ بجے ہم سب پنڈی سے روانہ ہوئے۔

راستہ سری نگر

نو بجے ہم اس مقام پر پہنچے جس کا نام سترہ میل ہے۔ یہاں ایک محصول خانہ بنا ہوا ہے جہاں راستہ کا ٹیکس فی کس ۸ر دینا ہوتا ہے۔ یہ محصول سرکار انگریزی وصول کرتی ہے۔ یہاں سے پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوتی ہے دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک مقام ترپا آیا۔ یہاں ڈاک خانہ اور تار گھر ہے۔

اس طرف کے جنگلوں میں فرانس اور جرمنی کی طرح لمبے لمبے چین کے درخت ہوتے ہیں۔ اس کو چیل کہتے ہیں۔ اس درخت سے گندہ بروزہ نکلتا ہے۔ اسکی لکڑی عمارت کے اور کشتیوں کے بنانے میں کام آتی ہے نہایت خوبصورت اور بڑے لمبے درخت ہوتے ہیں تاڑ کے درختوں سے کچھ مشابہ ہوتے ہیں۔ تھوڑی دور کے بعد کمپنی باغ ایک مقام آیا اسکا نام چھانگلی ہے۔ یہاں مجھسے وہ رسید لے لی گئی جو سترہ میل کے محصول خانہ میں ملی تھی۔ اور چار آدمی فی کس ۸ر کے حساب سے دو روپے جو لئے گئے تھے وہ واپس ملے۔ اگر ہم کوہ مری جاتے تو وہ روپے واپس نہیں ملتے یہ سرکار انگریزی کا حق ہے۔ تقریباً گیارہ بجے ہم کوہالہ پہنچے یہیں سے دریائے جہلم جو ایک چوڑے نالہ کی شکل میں بڑے زور و شور سے بہ رہا ہے ہم کو ملا جس نے بارہ مولا تک ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہاں ایک بڑا پل جہلم پر بنا ہوا ہے۔ یہیں سے مہاراجہ کشمیر کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ یہاں بھی سڑک کا محصول دینا ہوتا ہے۔ چار آدمیوں کا محصول ڈیڑھ روپیہ دینا پڑا۔ سرکار انگریزی لیتی ہے۔ ایک بجے ایک مقام آیا جس کا نام ہرسالہ ہے۔ ہر ٹھہرنے کے مقام کو اصطلاحاً پڑاؤ کہتے ہیں اور عموماً سولہ میل کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔ ہرسالہ میں ایک مسافر بنگلہ جہلم کے کنارہ ہے یہاں ٹھہرنے کے لئے نصف دن کیلئے فی کس آٹھ آنہ اور ایک دن کے لئے ایک روپیہ۔ مسافر بنگلہ میں خانساماں باورچی وغیرہ رہتے ہیں جو فرمائش دینے پر کھانا تیار کر دیتے ہیں۔ اس راستہ میں چند مسافر بنگلے

ملتے ہیں بعض تو ایک ٹھیکہ دار مسمی نیڈو کے زیر انتظام ہیں اور بعض ریاست کے زیر انتظام ہیں۔ ہر سال میں جو بنگلہ ہے وہ ٹھیکہ دار کے زیر اہتمام ہے۔ دوپہر کے کھانے کے لئے اور تھوڑی دیر آرام لینے کی غرض سے یہاں ٹھہرے مسافر بنگلہ کے خانساماں کو کھانا تیار کرنیکا حکم دیا۔ اُس نے آدھ گھنٹہ میں سب کچھ تیار کرکے میز پر چن دیا۔ یہاں سب چیزیں صاف ستھری دیکھیں۔ انتظام اچھا ہے۔ کھا کر استراحت کیا۔ یہاں سے ہم تین بجے روانہ ہوئے دو میل ایک مقام آیا۔ یہاں دو دریا اور دو سڑکیں ہیں۔ ایک دریا چوڑے نالہ کی شکل میں جہلم ہے دوسرا دریا بھی زیادہ عریض نہیں ہے اس کا نام کشن گنگا ہے۔ یہاں محصول فی موٹر چار روپیہ للعہ ہے یہ محصول ریاست کشمیر لیتی ہے۔ یہاں سے تیرہ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک پڑاؤ آیا جس کا نام چناری ہے یہاں بھی مسافر بنگلہ ہے جو ریاست کے زیر اہتمام ہے۔ یہ بنگلہ ایک پہاڑی پر ہے پشت پر سر بفلک پہاڑ ہیں سامنے دریائے جہلم ہے اس پار بھی پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ یہاں دریا کے جو روزمرہ کے لئے عجیب قسم کا پل ہے وہ یہ کہ ایک ستون دریا کے اس کنارہ پر جدھر مسافر بنگلہ ہے اور دوسرا ستون اسکے سامنے دریا کے دوسرے کنارہ پر گڑا ہوا ہے اور ان دونوں پر تار بہت ہی موٹا لگا دیا گیا ہے اس تار کو پکڑ کر لٹکتا ہوا انسان ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آتا جاتا ہے۔ عجیب خوفناک چیز ہے اگر کہیں ہاتھ چھوٹا تو خاتمہ ہے یہاں بہت زور سے دریا نالہ کی شکل میں رواں ہے ایک منٹ میں کہاں سے کہاں بہا کے لے جائیگا وہاں کے لوگوں کو مطلق خوف نہیں بہت تیزی سے آرپار ہوتے ہیں۔ یہاں پر پاٹ ذرا چوڑا ہے تیس چالیس گز عرض ہوگا۔ جب اس تار کو پکڑ کر لٹکتا ہوا کوئی جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے چیل یا کوا لٹک رہا ہے۔ یہاں کے پہاڑ سرسبز اور کھیتوں سے بھرے ہیں۔ یہاں ایک پولیس کا ناکہ اور چنگی کا محصول خانہ اور کچھ دوکانیں بنئے اور نان بائی وغیرہ

کی ہیں۔ پہاڑوں پر کاشتکاروں کی خاصی آبادی ہے۔ ہپنے خانساماں کو شب کے کھانے کا حکم دیا۔ جاتے ہی حمام تیار کرنے کو حکم دیا۔ حمام کرکے چائے پی۔ شب کا کھانا کھایا اور شب وہیں بسر کی ہماری موٹر کے پیچھے جو ہمارا سامان تھا چند ٹرنک اور سوٹ کیس وغیرہ تھے اسمیں ایک گٹھری بھی کپڑوں کی تھی جسمیں خادمہ کے پہننے کے کپڑے اور اس کا بچھونا وغیرہ تھا مجھے اطلاع دی گئی راستہ میں وہ گٹھری کہیں گر گئی۔ مجھے افسوس ہوا کیونکہ غریب آیا کو تکلیف ہوگی۔ اس سڑک پر شام کے چھ بجے تک موٹروں کے چلنے کا حکم اسکے بعد سامان کی موٹر لاریاں چلتی ہیں اور تمام رات چلا کرتی ہیں۔ مسافروں کی لاریاں بھی نہیں چلتیں۔ یہاں کے جنگلوں میں گوزنیب کے بہت درخت ہیں اخروٹ بادام وغیرہ کے درخت بھی ہیں۔ جہلم ویلی روڈ پہاڑ کے کنارہ کنارہ پہاڑوں کو کاٹ کر نکالی گئی ہے اس کا عرض بس اسی قدر ہے کہ دو موٹریں بیک وقت گزر سکیں ایک نیچے سے اوپر جائے اور دوسری اوپر سے نیچے ہر موڑ پہ پتھر نصب کئے گئے ہیں تاکہ آنے جانے والی موٹروں میں ٹکر نہ ہو۔ مسافر بنگلہ میں ہر طرح کا آرام ملا۔ فرنیچر وغیرہ جو ضروری ہیں سب موجود ہیں۔ کھانا بھی اچھا ملا۔ صبح کے چھ بجے ناشتہ و چائے سے فارغ ہو کر روانہ ہو گئے۔ چناری سے اٹھارہ میل کے بعد ایک مقام آیا جس کا نام اوڑی ہے یہاں بھی مسافر بنگلہ ہے لیکن ہم ٹھہرے نہیں ابتک تو گرمی تھی یہاں سے سردی شروع ہوئی مگر خوشگوار۔ اس طرف کا منظر بھی سہانا ہے ایک طرف جہلم دریا سائیں سائیں کرتا ہوا بہ رہا ہے دوسری جانب سبزہ زار وہاں کے کھیت لہلہاتے ہیں۔ سڑک کی دوسری جانب سر بفلک پہاڑ کھڑے ہیں اس طرف کے پہاڑ مٹی کے ہیں جنپر اقسام اقسام کے درخت ہیں پہاڑوں پر کھیت بھی ہیں آبادی بھی ہے دریا کے پانی کی آواز اس قدر زور و شور سے آتی ہے جیسے ریل ہماری موٹر کے ساتھ ساتھ چل رہی ہو۔ موٹر ڈرائیور اس قدر تیزی سے موٹر چلاتا ہے

کر آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔ میں موٹر کے شوفر سے کہتی جاتی تھی کہ ذرا آہستہ چلاؤ تاکہ یہاں کے دلفریب مناظر سے لطف اٹھاؤں مگر وہ کب مانتا تھا تھوڑی دور رکنے کے بعد ایک چھوٹا سا گاؤں ملا جس کا نام مہورہ ہے۔ یہاں بجلی کا کارخانہ ہے۔ بجلی جہلم دریا کے پانی سے پیدا کی جاتی ہے تمام سری نگر میں بجلی یہیں سے جاتی ہے۔ چار میل کے بعد رامپور گاؤں آیا۔ یہاں بھی مسافر بنگلہ بنا ہوا ہے اسکے بعد بارہ مولا آیا۔ یہ ایک ضلع کا مستقر ہے بہت سے عہدہ دار رہتے ہیں اس کو باب الکشمیر کہتے ہیں۔ راولپنڈی سے یہاں تک دو رویہ سر بفلک پہاڑ اور بلند پہاڑیاں طے کرنیکے بعد یہاں سے میدانی راستہ شروع ہوتا ہے پہاڑوں کا سلسلہ دور دور سے دکھائی دیتا ہے۔ بارہ مولا سے سری نگر تک ایک سیدھی سڑک ہے جس کو ایونیو کہنا چاہیئے دونوں طرف سر سبز بفلک سفیدہ کے درخت ہیں بیچ میں سڑک ہے درختوں کے باہر دونوں جانب کھیت اور میدان ہیں۔ فرانس کے اکثر شہروں میں سڑکوں کے کنارہ دونوں جانب سفیدہ کے درخت ہوتے ہیں جو شمشاد کے درخت سے مشابہ ہوتے ہیں یہ سڑک سامنے اور پیچھے سے ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے بالوں کے بیچ میں ایک مانگ نکلی ہوئی ہے۔ دونوں طرف ایک دوسرے سے ملے ہوئے درخت اور بیچ میں یہ سڑک۔ سر پر ایک لکیر کی طرح آسمان دکھائی دیتا ہے۔ جہلم دریا کی آواز یہاں سے موقوف ہو جاتی ہے کیونکہ وہ سڑک سے بہت فاصلہ پر بہ رہا ہے اور پاٹ چوڑا ہو گیا ہے کشتی رانی ہوتی ہے۔ بہت سے مسافر اب بھی بذریعہ کشتی کے سری نگر اسلام آباد گاندربل وغیرہ یہاں سے آتے جاتے ہیں۔ بارہ مولا تجارت کی بڑی منڈی ہے۔ پٹن۔ شادی پور۔ سنبل مشہور قصبے یہاں کی تحصیل کے تحت ہیں بارہ مولا کے بعد پٹن گاؤں آیا۔ ٹھیک نو بجے ہم سری نگر پہنچے۔ اگر صبح کے چھ بجے پنڈی سے روانہ ہوتے اور شب باشی راستہ میں نہ کرتے تو اسی دن شام کے سات بجے سری نگر پہنچ جاتے۔ سری نگر باوجودیکہ سطح سمندر سے پانچ ہزار دو سو فیٹ بلند ہے مگر بہت گرمی محسوس ہو رہی ہے پنکھے کی ضرورت

ہے۔ ہماری موٹر اسی مقام پر ٹھہرائی گئی جہاں دوسری موٹریں اور لاریاں وغیرہ ٹھہرتی ہیں یہ مقام سری نگر کے پہلے پل امیرا کدل کے متصل ہے۔ یہاں پر بہت سے ہوٹل ہیں۔ موٹر کے ٹھہرتے ہی کشتیوں کے مانجیوں کا جن کو ہانجی بھی کہتے ہیں تانتا لگ گیا ہر ہانجی اپنے سرٹیفکٹ دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا ہاؤس بوٹ لیجیے نہایت آرام دہ اور ارزاں ہے ان لوگوں نے اس قدر غل مچانا شروع کیا کہ کان کے پردے پھٹنے لگے چند ہوٹلوں کے دلالوں نے بھی غل مچانا شروع کیا ایک کہتا ہے میرے ہاں ٹھہریئے دوسرا کہتا ہے میرے ہاں چلئے۔ وہاں پر ایک ہوٹل موسوم بہ انڈین ہوٹل ہے اسکے ملحق ایک اور ہوٹل ہے۔ ایک ہوٹل خسر کا ہے دوسرا داماد کا ہے اور آپسمیں ان دونوں میں سخت عناد ہے ایک کہتا میرے ہاں تشریف لے چلئے دوسرا کہتا ہے میرے ہاں چلئے ان دونوں میں آپسمیں لڑائی شروع ہو گئی۔ ہم سخت پریشان ہوئے۔ بیرسٹر صاحب نے کہا کہ کسی ہوٹل میں ہم چند گھنٹے ٹھہرینگے اسکے بعد ہوس بوٹ لینگے۔ بیرسٹر صاحب نے سسر داماد کا جھگڑا چکا دیا اور بڑے میاں کے ہوٹل میں سامان رکھوایا۔ یہ ہوٹل چھوٹا سا تھا۔ کمرے بھی تنگ صحن بھی مختصر سا بالاخانہ پر دو کمرے لے لئے۔ حمام کیا اور کھانا کھایا۔ دو بجے بیرسٹر صاحب سر ایلبین بنرجی کشمیر و جموں کے چیف منسٹر (وزیر اعظم) کے ہاں گئے بیرسٹر صاحب اور بنرجی صاحب ایک دوسرے کو دیکھکر باغ باغ ہو گئے بیحد مسرور ہوئے دونوں عہد طالب علمی کے دوست۔ سر ایلبین نے شکایت کی تمنے خط کیوں نہیں مفصل حالات کا لکھا کہ کب روانہ ہوگے اور کس راستہ سے یعنی جموں ہو کر یا پنڈی سے آؤگے اور کس دن اور کس وقت سری نگر پہنچوگے۔ صرف تمہارا ایک تار لاہور سے بایں مضمون آیا کہ کشمیر آ رہے ہیں۔ لاہور کے قیامگاہ کا پتہ بھی نہیں کہ میں تم کو تار دیکر ضروری امور دریافت کرتا اور راستہ میں تمہارے لئے انتظام کرتا اگر یہ معلوم ہوتا کہ تم بارہ مولا سے آ رہے ہو یا جموں سے آ رہے ہو تو یہاں سے

آدمی روانہ کرتا وہاں کے مقامی عہدہ داروں کو لکھتا تمہارے لئے آسایش کا سامان کیا جائے۔ کہو کسی قسم کی تکلیف تو راستہ میں نہیں پہونچی۔ بیرسٹر صاحب نے کہا مطلق نہیں۔ خدا کا شکر ہے بہت آرام سے رہے سر ایلین نے بیرسٹر صاحب سے کہا کہ سری نگر میں جو سیاح آتے ہیں مکانوں میں بہت کم رہتے ہیں یہاں کی خصوصیت یہ ہے کہ ہوس بوٹ (کشتی) میں چند روز رہکر اس طرز زندگی کا بھی لطف اٹھائیے۔ اپنے وطن میں لوگ مکانوں میں رہتے ہیں۔ اسی خیال سے میں نے ایک آرام دہ ہوس بوٹ تمہارے رہنے کے لئے تمہارا تار آتے ہی ٹھہرا رکھا ہے یہ کہکر بیرسٹر صاحب کو ہمراہ لے جاکر ہوس بوٹ دکھایا جو ایوان وزارت کے متصل گھاٹ پر کھڑا تھا۔ اور کہا فوراً اسمیں چلے آؤ۔ اپنی سواری کی موٹر میرے لئے بھیجی۔ جولائی کی چودھویں کو ہم سری نگر پہنچے۔

حالات ہوس بوٹ

بیرسٹر صاحب سر ایلین سے مل کر ہوٹل میں آئے جس موٹر میں ہم راولپنڈی سے آئے تھے اسمیں ہمارا سامان رکھا گیا اور ملازمین سوار ہوئے اور سر ایلین کی موٹر میں ہم سب سوار ہو کر دال منڈی گھاٹ جہاں ہمارا ہوس بوٹ تھا پہنچے۔

یہ ہوس بوٹ بہت بڑا اور خوب سجا ہوا تھا۔ یہ ہوس بوٹ اے کلاس کا تھا تین درجے ہوتے ہیں اے۔ بی۔ سی۔ اے کلاس درجہ اول ہوتا ہے اسمیں ڈرائینگ ہال (کھانے کا کمرہ) تین پلنگ کے کمرے ہر ایک کے ساتھ باتھ روم (حمام) ڈرائینگ روم (نشست کا کمرہ) بھی بہت ہی آراستہ ہیں آگے اس کے برآمدہ۔ ہر ایک کمرہ قیمتی اور خوبصورت فرنیچر سے سجا ہوا۔ ریشمی پردے آویزاں۔ کھانیکے کمرہ میں زیادہ سامان نقروی بیشتر کرسیاں بھی خوبصورت پلنگوں پر بچھونا کیا ہوا۔ ہر ایک ضرورت کی چیز موجود

اور سب چیزیں قرینہ سے رکھی ہوئی۔ تین ملازم ہماری خدمت کے لئے۔ یہ تینوں ملازم ہماری آنکھ کے اشارے کے منتظر رہتے تھے۔ یہ چوبی مکان پانی پر ایک عالی شان محل معلوم ہوتا تھا۔ ہوس بوٹ دریا کے کنارہ پر موٹے رسّوں اور زنجیروں سے بندھے کھڑے رہتے ہیں۔ اگر ایک جگہ کچھ دنوں قیام کے بعد جی گھبرا گیا تو۔ علاوہ اُن مقررہ مانجھیوں کے جو ہر ایک ہوس بوٹ میں رہتے ہیں تین چار یا اس سے زیادہ بلحاظ ہوس بوٹ کی جسامت و وزن کے کرایہ کے مزدور مقرر کر لئے جاتے ہیں جو اس متحرک مکان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لمبے بانسوں سے ڈھکیلتے ہوئے لیجاتے ہیں۔ اور ساکنین آرام سے بیٹھے ہوئے دریا کے کناروں کو دیکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ ہر ایک ہوس بوٹ کے ساتھ ایک باورچی خانہ اور ملازمین کے رہنے کی کشتی جدا ہوتی ہے جسے ڈونگا کہتے ہیں۔ جتنا بڑا ہوس بوٹ ہوگا اسی لحاظ سے اسکے علاوہ کا ڈونگا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ہوس بوٹ کے ساتھ جو ڈونگا تھا وہ بھی بہت بڑا اور وسیع تھا۔ ہر ایک ہوس بوٹ کے ساتھ ایک یا دو شکارے ہوتے ہیں یہ چھوٹی سی کشتی ہوتی ہے۔ اسمیں بیٹھکر شام و صبح جب جی چاہا ہوا خوری کے لئے نکلتے ہیں اور سودے سلف کے لئے بھی شکاروں پر ملازم جاتے ہیں۔ جس وقت ہم ہوس بوٹ میں پہنچے سر ایلیں کا چپراسی بجلی گھر گیا اور وہاں سے آدمی آیا اور اُسنے بجلی کا تار ملا دیا۔ اس ہوس بوٹ کے ہر ایک کمرہ میں برقی روشنی کی دیوار گیریاں لگی لگائی تھیں اور ڈرائینگ روم میں ایک جھاڑ آویزاں تھا۔ ہوس بوٹ کا کرایہ اسکی حیثیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ ہمارے ہوس بوٹ کا کرایہ معہ ملازمین کی تنخواہ ڈھائی سو ۲۵۰ ماہانہ تھا۔ بعض ہوس بوٹوں میں کھانے کا انتظام اسکے صدر مانجھی کے ذریعہ سے کرتے ہیں خصوصاً انگریز جو اپنے ساتھ باورچی نہیں لے جاتے ہیں کھانے کا فی کس کے لحاظ سے جدا دینا ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھ باورچی تھا اس لئے ہم کو

اس کی ضرورت نہیں کہ ہاتھی کے ذریعہ سے کھانے کا انتظام کیا جاتا مسز رگ تو ہم لوگ مسز ایلین کے مہمان تھے اور سری نگر ہوس بوٹ کی تعریف میں کسی نے یہ شعر کہے ہیں:

یہاں پانی کی سڑکیں ہیں بجرے کی فٹنیں ہیں ÷ بجائے کوچواں کے ہمنے بیٹھا ناخدا دیکھا
نئی وضع کے پل دیکھے کہ دل کھنچتے ہیں یاں جنکو ÷ ہوس بوٹوں سے دریا کے کناروں کو سجا دیکھا

ہوس بوٹ میں آتے ہی جی خوش ہو گیا۔ ہوس بوٹ میں اپنا سامان رکھوا کر ہم سب مسز ایلین کے ہاں گئے انکے ہاں آج ٹینس پارٹی تھی۔ بہت سے لوگ مدعو تھے۔ کپتان رگ اور مسز رگ اندنوں مسز ایلین کے ہاں مہمان ہیں۔ مسز رگ مسز ایلین کی حقیقی ہمشیر زادی ہیں۔ ٹینس کے چند سٹ کھیل کر اور چار ریفرشمنٹ سے فارغ ہو کر مہمان اپنے گھروں کو گئے کپتان اور مسز رگ تو وہیں مقیم تھے ہم لوگوں کو مسز ایلین نے ڈنر کھانے کے لئے روک لیا ہم سب نے کھانا کھایا۔ میز پر رہ رہ کر مسز ایلین بیرسٹر صاحب سے بھی گلہ کرتے تھے ہمکو خط کیوں نہیں لکھا میں تمھارے لئے راستہ کا خاص انتظام کرتا۔ خط آنے کے بعد میں تم سے دریافت کرتا کہ مکان کی سکونت کو ہوس بوٹ میں قیام کرنے پر ترجیح دیتے ہو یا ہوس بوٹ میں رہنا پسند کرتے ہو اگر مکان میں رہنا پسند کرتے تو سرکاری گسٹ ہوس (مہمان خانہ) میں تمھارے قیام کے لئے انتظام کرتا۔ تمنے تو ایک تار دو لفظی دیدیا کہ کشمیر آرہے ہیں وہ بھی راستہ میں سے دیدیا یعنی لاہور ہی سے۔ اسی طرح بہت سے گلے شکوے محبت آمیز کرتے رہے کچھ انگلستان میں ایک ہی مکان میں جب یہ دونو آدمی ساتھ رہتے تھے اسوقت کے تذکرے رہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد ہوس بوٹ میں ہم سب واپس آگئے ہمنے چند عزیزوں کو حیدر آباد خط لکھے۔

۱۵ جولائی۔ آج صبح کو محمد اسحاق صاحب بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے

اور کہا کہ آج تیسرے پہر کو میں موٹر بھجواتا ہوں آپ معہ بیگم صاحبہ کے نشاط باغ ضرور جا کر دیکھیے لائق دید نظارہ ہے ہر اتوار کو سیکڑوں تماشائی وخوش باش نشاط باغ و شالامار باغ دیکھنے جاتے ہیں بعض لوگ دن بھر وہیں بسر کرتے ہیں کھانے پینے کی چیزوں کی دکانیں بھی لگ جاتی ہیں ایک میلہ سا رہتا ہے۔ ہر اتوار کو پانی کھول دیا جاتا ہے سیکڑوں فوارے حوضوں کے بیک وقت چھوٹتے رہتے ہیں بہت پر لطف سیر ہوگی ضرور جائیے۔ بارسٹر صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ آیا میری خواہش دونوں میں سے کوئی ایک باغ جا کر دیکھنے کی ہے میں نے کہا کہ مجھے آج خستگی سی معلوم ہوتی ہے۔ کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا ہے آپ اور حیدر میاں جائیں بیرسٹر صاحب نے محمد اسحاق صاحب سے کہا میرے گھر میں کی طبیعت سست ہے وہ تو نہیں جائیں گی اور حیدر جائینگے چنانچہ محمد اسحاق صاحب دو بجے کے بعد موٹر لیکر آئے بیرسٹر صاحب کو اور حیدر میاں کو لیکر نشاط باغ گئے میں نے آج دن کا بڑا حصہ لکھنے میں گزارا اور کچھ وقت سوداگروں کا سامان دیکھنے میں کٹا۔ یہاں کے تاجر مختلف اقسام کی چیزیں ریشمی ساریاں شال چادریں دوشالے جامہ وار۔ چاندی کی چیزیں۔ پیپر مشی کی چیزیں شکاروں میں لیکر پھرتے ہیں اور جو لوگ ہوس بوٹ میں رہتے ہیں انکے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس بھی ان سوداگروں کا تانتا لگا تھا ایک جاتا تو دوسرا آتا کبھی دو تین شکارے والے بیک وقت پہنچ جاتے ہیں لاکھ کہتی کہ میں ابھی تو کشمیر میں آئی ہوں جو کچھ خریدنا ہے واپس جانے کے چند روز پیشتر خریدونگی مگر یہ حضرات نہیں مانتے اور بہ منت یہ کہتے جاتے خریدنے نہ خریدنے کا اختیار حضور کو ہے ایک نظر دیکھ تو لیجئے۔ یہاں کے تجار نہایت ادب سے اور نرمی سے گفتگو کرتے ہیں اور اگر ان سے کچھ خریدا نہ جائے تو برا نہیں مانتے میں نے بعض مقامات

میں یہ دیکھا کہ سوداگر اپنا جب سامان دکھائے اور کچھ خریدا نہ جائے تو منھ بنا لیتے اور ترش روئی سے باتیں کرنے لگتے ہیں یہاں کے سوداگروں میں یہ بات نہیں ہے۔ بیرسٹر صاحب شام کو نشاط باغ سے واپس آئے اور باغ کی بہت تعریف کی مجھ سے کہا کہ آئندہ اتوار کو ضرور چل کر دیکھو۔ میں نے بیرسٹر صاحب سے کہا کہ آپ تو ادھر چلے گئے تھے میں نے بیٹھے بیٹھے گیارہ صفحوں کا ایک مضمون لکھ ڈالا اسکو پڑھیئے

گسٹ ہوس

۱۶ر جولائی صبح کے ۶ بجے چائے پی کر شکارہ میں سوار ہو کر ہوا خوری کو نکلے۔ باد سحری کے جھونکے صبح کا سہانا سہانا وقت آفتاب عالمتاب کا افق شرق کی چادر چاک کر کے گریبان صبح سے منھ نکالنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دریائے جہلم کے پانی میں سے آفتاب نکل رہا ہے اور اس کی کرنوں کا پانی پر پڑ کر جگمگانا۔ سرسبز پہاڑوں کے دامن میں سے دریائے جہلم کے پانی کا سبک رفتاری سے بہنا۔ کنارہ کے باغوں کے درختوں کی ڈالیوں پر چڑیوں کا نغمہ کرنا۔ آلوبخارے اور سرخ سفتالو اور سیبوں کا درختوں میں لٹکتے ہوئے جھومنا کچھ عجیب روح افزا سماں دکھا رہا تھا۔ ہماری کشتی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ میں نے مانجھیوں کو حکم دیا کہ کشتی آہستہ چلاؤ تاکہ دونوں کناروں کا منظر اچھی طرح دیکھتا جائے۔ منشی باغ جو لب دریا ہے وہاں کشتی کھڑی کی۔ یہ باغ جہانگیر کے عہد میں بنایا گیا تھا۔ اب تو نام کا باغ ہے صرف چنار کے درخت ہی رہ گئے ہیں اور کچھ باغیت نہیں ہے۔ چنار ایک قسم کا درخت ہوتا ہے جس کے پتے بالکل انگور کے پتوں سے مشابہ ہوتے ہیں مگر بہت بڑے درخت ہوتے ہیں جیسے پیپل یا برگد کے درخت بلکہ بعض پرانے درخت تو اس قدر بڑے اور انکی ڈالیاں اتنی پھیلی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کے سایہ تلے ایک بڑا قافلہ ٹھہر سکتا ہے کہا جاتا ہے کہ بعض وقت فوج کے ہزاروں سپاہی آرام سے ٹھہرتے تھے۔ چنار کے پتے جون جولائی اگست ستمبر چار ماہ تک

بالکل سبز رہتے ہیں اکتوبر سے رنگ بدلنے لگتا ہے زردی شروع ہوتی ہے اور پھر سارا درخت سرخ ہو جاتا ہے جیسے آگ لگی ہوئی ہے جاڑوں میں برفباری کے زمانہ میں سارا درخت لنڈورا ہو جاتا ہے ایک پتہ نام کو نہیں رہتا ہے۔ اسکی لکڑی بھی کام آتی ہے جلنے کے وقت خوشبو آتی ہے اور اس کے کوئلوں کی آگ دیرپا ہوتی ہے یہ درخت ابتدا جہانگیر کے زمانہ میں ایران سے لایا گیا تھا۔ یہ درخت سوائے ایران کے اور کہیں نہیں ہوتا ہے۔ اس کی عمر سیکڑوں سال کی ہوتی ہے جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ کے لگائے ہوئے درخت ابتک موجود ہیں کشمیر میں بے انتہا چنار کے درخت ہیں۔ یہ درخت بہت خوبصورت بھی ہوتا ہے منشی باغ کی طرح اور بھی بہت سے باغات ہیں بعض تو صرف نام کو رہ گئے ہیں اکبر جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانوں میں متعدد باغات مختلف مقامات میں بنائے گئے اور مغلیہ عہد تک سب آراستہ تھے۔ نسیم باغ۔ نگینہ باغ۔ بادام باغ۔ ویری ناگ باغ۔ اچھا بل باغ۔ ملا شاہی باغ۔ شالامار باغ۔ نشاط باغ اور یہی خدا جانے اس زمانہ میں کتنے باغ بنائے گئے اور سب باستثنا شالامار اور نشاط باغ اور اچھا بل باغ کے تباہ و تاراج ہو گئے۔ منشی باغ کے قریب سرکاری گسٹ ہوس مہمان خانے ہیں۔ چند مکانات ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ ان میں باغ اور خوبصورت چمن ہیں۔ ہم کسی مکان کے اندر نہیں گئے صرف باغ و چمن کی سیر کی۔ پھول اقسام اقسام کے اور بہت خوبصورت تھے مالی کو بلا کر میں نے کہا کہ تم کو انعام دونگی مجھے تھوڑے پھول توڑ کر لا دو۔ ہمارے ہمراہ ہمارے ہوس بوٹ کا مالک تھا جس کو بڑا محقق کہتے ہیں۔ اس سے میں نے دریافت کیا کہ اتنے بہت سے گسٹ ہوس ایک ہی مقام پر کیوں ہیں اس نے کہا کہ کشمیر میں یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر ملکی شخص مثلاً یورپین یا پارسی وغیرہ یہاں اول تو مکان بنا نہیں سکتے اور اگر باجازت مکان بنا لیتے ہیں تو بیس سال تک اسی مکان میں رہ سکتا ہے یا خود نہ رہے تو کرایہ پر دے تو کرایہ بھی لیتے ہی

سال تک وصول کرسکتا ہے۔ غرض یہ کہ بیس سال تک اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے بیس سال کے بعد وہ مکان مع فرنیچر ملک سرکار ہو جاتا ہے اس مقام پر چند انگریزوں نے یہ مکان بنائے تھے اور بیس سال کے بعد سرکار نے لیکرگسٹ ہوس بنا دئے مالکان مکان کو کوئی حق ان مکانوں پر نہیں رہا یہ عجیب و غریب قانون سنکر مجھے بیحد استعجاب و تحیر ہوا۔ اس قانون کی حقیقت و صداقت کی نسبت اور بھی بعض آدمیوں سے میں نے دریافت کیا تو ان لوگوں نے بھی اسکی تصدیق کی۔ صبح کے نو بجے میں وہاں سے واپس آئی مولوی محبوب عالم صاحب اوڈیٹر پیسہ اخبار اور ان کی دختر فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل سابق اوڈیٹریس شریف بی بی مجھ سے ملنے آئیں۔ فاطمہ بیگم صاحبہ سے اور مجھ سے ایک زمانہ سے خط و کتابت تھی۔ حسن اتفاق سے آج اُنسے ملاقات ہوئی۔ محبوب عالم صاحب تو حیدرآباد جب آئے تو ہمارے ہاں ٹھہرے۔ فاطمہ بیگم صاحبہ سے دیر تک باتیں رہیں۔

آج چار بجے بیگم احسان علیخان صاحب نے میری دعوت چائے کی کی وہاں گئی وہاں سے شام کے سات بجے ہوس بوٹ میں واپس آئی

غریبوں کا محلہ

ایک روز میں غریبوں کی بستی دیکھنے گئی۔ کشتی میں سوار ہو کر بہت دور تک گئی کشتی کنارہ پر لگا دی گئی ہر ایک محلہ میں گئی جس کا نام کشمیری زبان میں بچھوا ہے۔ یہاں تمام غربا رہتے ہیں۔ مکانات بہت غلیظ۔ گلیاں تنگ اور وہ بھی سیلی اور غلیظ نہریوں میں تمام میلا پانی بہ رہا تھا عجیب محلہ تھا یاد کرنے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ وہاں بچوں اور بوڑھوں نے اور عورتوں نے آکر مجھے گھیر لیا۔ ان سب کے لباس بھی بہت ہی کثیف اور میلے اور کپڑوں سے اس قدر بد بو آتی تھی کہ کھڑا رہنا دشوار ہو گیا۔ اس محلہ میں

ایک بزرگ کا مزار بھی ہے۔ کشمیر میں جا بجا درگاہیں ہیں اور مزارات ہیں جن کو زیارت کہتے ہیں یعنی زیارت گاہ۔ اس درگاہ پر بھی نذر وغیرہ چڑھاتے ہیں اسی درگاہ کے متصل ایک پیر و مرشد کا مکان بھی تھا۔ پیر و مرشد کو بلوا کر میں نے پوچھا کہ آپ کے کتنے مرید ہیں۔ انھوں نے کہا ڈیڑھ سو۔ انسے میں نے کہا کہ آپ اپنے مریدوں کو دینیات کی تعلیم دیجئے ان لوگوں سے کہئے کہ صاف ستھرے رہیں اپنے بچوں کو تعلیم دیں مدرسے بھجوائیں۔ میں نے بہت بڑا لکچر دیا۔ پیر و مرشد کو کچھ دیکر کہا کہ اسمیں سے کچھ ان غریبوں کو تقسیم کر دیجئے۔ وہاں سے آکر اپنی کشتی پر سوار ہوے۔ راستہ میں مہاراجہ کشمیر کا مکان دیکھا۔ اس کا سلسلہ بہت دور تک لب دریا چلا گیا ہے۔ علاوہ ان ایوانات کے محلہ گپکار میں بھی مہاراجہ کے مکانات ہیں۔ ان دنوں مہاراجہ یورپ میں تھے ان کی دو رانیاں ہیں کسی سے بھی اولاد نہیں ہے۔ مہاراجہ کے مکانات کے قریب ایک مندر بھی ہے جہاں مہاراجہ کشمیر پوجا کرتے ہیں۔ راستہ میں اور ایک مندر ملا جس کا نام بابا دہرم داس مندر ہے۔ اس کو حال میں مہاراجہ کے دادا مہاراجہ گلاب سنگھ جنھوں نے کشمیر انگریزوں سے خریدا تھا بنوایا تھا۔ مندر کے اندر ہم سب گئے اور دیکھکر آئے کسی نے روکا ٹوکا نہیں۔ یہاں غربا صرف ایک لمبا کرتا پہنتے ہیں جس کو پیرن کہتے ہیں (یعنی پیرہن) ایک ہاتھ عموماً بایاں ہاتھ آستین میں سے نکال کر اندر ڈال لیتے ہیں پہلے مجھے خیال ہوا کہ ایک ہی ہاتھ کا آدمی ہے جب بہت سے لوگوں کو اسی طرح دیکھا تو دریافت سے معلوم ہوا کہ ایک ہاتھ آستین سے نکال کر کرتے کے اندر ڈالنے کا اور آستین کے لٹکتے رہنے کا سبب یہ ہے کہ غریب لوگ سردی کے دنوں میں کانگڑی (ایک قسم کی انگیٹھی) ایک ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں اور جس ہاتھ سے پکڑتے ہیں اس کو آستین سے نکال لیتے ہیں کرتے کے اندر وہ ہاتھ رہتا ہے۔ اسی طرح سے جاڑوں میں راستہ چلتے ہیں تاکہ جسم میں گرمی آتی رہے۔ جاڑوں میں اس طرح سے رہنے اور راستہ

چلنے کی عادت ہوگئی ہے تو گرمیوں میں بھی باوجودیکہ انگیٹھی ساتھ نہیں ہے مگر ایک ہاتھ آستین سے نکال کر کرتے کے اندر ڈال کر راستہ چلتے ہیں جسمیں سے ہاتھ نکال لینے میں آستین لٹکتی رہتی ہے۔ غربا مہینوں نہیں نہاتے اور نہ کپڑے بدلتے۔ مہینوں کے بعد جب وہ کرتا بدلا جاتا ہے تو سفید سے سیاہ جسم پر ہوجاتا ہے۔ نطرت میں انکی کثافت ہے۔ اگر غربت کیوجہ سے دھوبی کی دھلائی پاس نہیں ہے تو دو پیسہ کا صابن لاکر تو کپڑے دھو سکتے ہیں مگر انہیں اسکی پرواہ نہیں ہندو البتہ روزانہ جہلم میں نہاتے ہیں اور کپڑے خود دھوکر پہن لیتے ہیں کیونکہ انکو پوجا کرنا ہوتا ہے۔

افسوس ان مسلمانوں پر ہے جن کے مذہب نے اس قدر صفائی اور طہارت کی تعلیم دی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں کے مسلمانوں میں بہت جہالت ہے۔ مشائخ تو یہاں سیکڑوں ہیں جو پیری مریدی کرتے یا مزاروں پر مجاوری کرتے ہیں مفت کا کھاتے ہیں مگر یہ نہیں ہوتا کہ ان غریب مسلمانوں کو تعلیم دیں اور کچھ نہیں تو صفائی ستھرائی کی تلقین کریں۔

سری نگر کا جو قدیم شہر ہے وہ اس قدر غلیظ ہے کہ ایسی غلاظت اور کہیں دیکھنے میں نہیں آئی ہمارے حیدرآباد کے غریب مسلمان چوتھے پانچویں دن نہاتے اور کپڑے بدلتے رہتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ اس قدر غلاظت سری نگر کے شہر میں ہے مگر لوگ زندہ اور تندرست ہیں یہ صرف آب و ہوا کی خوبی ہے

کشمیر کی کانگڑی

کانگڑی ایک قسم کی انگیٹھی ہے جو مٹی کے پیالہ کیطرح ہوتی ہے اسکے چاروں طرف بید کے جال بنتے ہیں اس کو ایک دستہ بھی پکڑنے کے لئے ہوتا ہے اور نیچے کا حصہ گلدان کی طرح اونچا ہوتا ہے۔ جاڑوں میں کانگڑی پیٹ کے پاس رکھکر عورت مرد سو جاتے ہیں بعض وقت آگ پیٹ پر گر جاتی ہے

یا سینہ جل جاتا ہے اسی وجہ سے اکثر غریب مرد و عورت کے پیٹ یا سینہ پر جلنے کے نشانات ہوتے ہیں کانگڑی چاندی کی بھی بنائی جاتی ہے جال کے اندر ڈاک کا پتر سرخ و سبز رنگ کا دیتے ہیں امیروں کی کانگڑی پر تکلف ہوتی ہے۔ معمولی کانگڑی چار پانچ آنے کو ملتی ہے۔ جو پر تکلف کانگڑی ہوتی ہے اور بڑی ہوتی ہے اسکی قیمت آٹھ دس آنے۔ چاندی کی کانگڑی فی تولہ ایک روپیہ کے حساب سے ملتی ہے۔ اسمیں شک نہیں کانگڑی کا وجود جاڑوں میں امیر و غریب سب کے لئے ایک نعمت ہے۔ اسکی تعریف میں کسی نے شعر لکھے ہیں۔

اے کانگڑی اے کانگڑی قربان تو حور و پری ؛
چو در بغل تو آمدی درد دل من می بری ؛

کانگڑی در بغل چون است　　لیلےٰ در کنار مجنون است

کانگڑی کو سیاح تحفہ کی طرح خرید کر لے جاتے ہیں۔ اہل یورپ بھی بہت خریدتے ہیں دراصل خوبصورت اور بکار آمد چیز ہے۔ لیکن امیروں اور غریبوں کا نقصان بھی کرتی ہے۔ غریبوں کے جسم اور کپڑے جلاتی ہے امیروں کے قیمتی بستر اور شال چادریں جلاتی ہے بعض وقت سارے گھر میں آگ لگ گئی مکانات جل کر خاک ہوگئے۔ لیکن اس کا رواج جو صدیوں سے ہے نہیں جاتا

مانجھیوں کی لڑائی

کشمیر میں ہزاروں مانجھی ہیں جو ہوس بوٹ اور ڈونگے وغیرہ چلاتے ہیں۔ ان کی لڑائی عجیب غریب ہوتی ہے۔ جب یہ آپس میں لڑتے ہیں تو ایک دوسرے کو مارنے لگتا ہے۔ ماں بیٹی ساس بہو یا باپ بیٹے جب لڑتے ہیں تو لڑتے لڑتے مار پیٹ کی نوبت آجاتی ہے ایک نمائی ٹوکرا بیچ میں لاکر رکھ دیا جاتا ہے دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہو جاتی ہے جبتک یہ ٹوکرا سیدھا

رہتا ہے لڑائی برابر جاری رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص ثالث اس ٹوکرے کو اوندھا کردے تو لڑائی فوراً ختم کر دی جاتی ہے گویا جو کچھ بخار دل میں تھا وہ خالی ہو گیا۔ اگر کسی نے اس ٹوکرے کو پھر سیدھا کر دیا تو غضب آگیا از سرِ نو جنگ شروع ہو گئی۔ یہاں کے لوگ عموماً بہت بزدل ہوتے ہیں۔ پولیس کے نام سے ان کی روح فنا ہوتی ہے۔ مہاراجہ کشمیر کا حکم ہے کہ چنار کا درخت نہ کوئی کاٹے نہ اس کی ڈالی یا پتے توڑے اگر ہم کسی سے کہیں کہ چند پتے توڑ کر لاؤ تو وہ ہرگز نہیں لائے گا اور کہے گا کہ ہم کو پولیس پکڑ لے گی۔ یہاں باغوں میں فصل کے زمانہ میں سیب بیرہس آلو بخارے زرد آلو وغیرہ اقسام کے میوے درختوں میں لدے ہوئے رہتے ہیں کیا مجال کہ کوئی ایک پھل تو توڑے۔

ڈل

کشمیر میں بڑی بڑی چار جھیلیں ہیں۔ ایک تو ڈل جو خاص سری نگر میں ہے دوسری مانس بل۔ تیسری ویلر۔ چوتھی۔ ہرمکھ گنگا۔ میں اس وقت ڈل کے حالات لکھتی ہوں۔ ایک دن شکارہ میں بیٹھ کر ڈل کی سیر کو نکلی چھوٹی سی نہر کاٹ کر جہلم دریا کے پانی سے اس کا پانی ملا دیا گیا ہے۔ ڈل کے ایک کنارہ جہاں سے نہر کاٹ کر لائی گئی ہے ایک عظیم الشان پھاٹک بنایا گیا ہے اس کے بند کرنے سے نہ جہلم کا پانی ڈل میں آسکتا ہے اور نہ ڈل کا پانی جہلم میں جا سکتا ہے۔ خاص ضرورت پر یہ پھاٹک بند کیا جاتا ہے ورنہ کھلا رہتا ہے چنانچہ جہلم دریا سے بڑے بڑے ہوس بوٹ ڈل میں لے جا کر اس کے کنارہ پر لگا دیا جاتا ہے۔ شکاروں میں جو لوگ جہلم دریا کی سیر کو نکلتے ہیں تو ڈل میں بھی چلے جاتے ہیں۔ ڈل شمالاً و جنوباً پانچ میل ہے اور شرقاً غرباً دو میل ہے۔ اس کی تہ موتی کی طرح نظر آتی ہے اس قدر شفاف پانی ہے۔ دریائی گھانس سبز سبز لمبی ہوتی ہے جو ڈل کے ایک حصہ میں بکثرت ہے سرخ و سفید کنول کے پھولوں کی بیلیں

ڈل میں بہت ہیں اور اس کے پھول بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا موسم اگست ستمبر میں ہے۔ ڈل کے ایک کنارہ پر ایک مقام ہے جس کو حضرت بل کہتے ہیں۔ یہاں بہت سی قدیم عمارتیں اور قدیم تبرکات ہیں موئے مبارک کی سالانہ زیارت ہوتی ہے تین دن مولود شریف وغیرہ ہوتا ہے بارھویں شریف کے موقعے پر ہزاروں لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے کنارہ ایک طرف نسیم باغ اور اس کے سامنے دوسرے کنارہ پر نشاط باغ ہے ایک شعر ان دونوں باغوں کے متعلق ہے پہلا تو یاد نہیں دوسرا مصرعہ یاد رہ گیا۔

صبح در نشاط باغ شام در نسیم باغ پہلے مصرعہ کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص گرمیوں میں صبح کو نشاط باغ میں رہے اور شام کو نسیم باغ میں آئے تو دن بھر جنت میں ہے۔

ڈل کے پانی پر ایک طرف کاشت ہوتی ہے۔ ڈل میں جو لمبی لمبی گھاس ہوتی ہے اس سے چٹائی بنتے ہیں اس چٹائی کو جو بہت لمبی اور چوڑی ہوتی ہے ڈل کے پانی پر ڈال کر مٹی کی چوڑی تہ بچھاتے ہیں اس میں تخم ریزی کرتے ہیں جس میں اقسام اقسام کی ترکاریاں بوئی جاتی ہیں اس کی چوڑان کم ہوتی ہے لمبان زیادہ ہوتی ہے۔ سری نگر میں جس قدر ترکاریاں کدو۔ بیگن۔ ترئی۔ بھنڈی۔ شلجم مولی کرم کلے۔ پھول گوبی وغیرہ وغیرہ استعمال میں آتی ہیں وہ سب ڈل میں اگتی ہیں۔ نہایت عمدہ ترکاریاں ہوتی ہیں اور یہ ترکاریاں بہت ارزاں بکتی ہیں۔ بڑے بڑے بیگن ایک پیسہ کو چار ترئی یا بھنڈی دو تین پیسے سیر۔ ڈل کی کاشت جو چٹاؤں پر تیرتی رہتی ہے بعض وقت چوری بھی جاتی ہے۔ تختے کے تختے چرا کر لوگ لے جاتے ہیں۔ کاشتکار کا جب جی چاہا اپنے کھیتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل کرتے ہیں بقول شاعر

پڑھا تھا یہ کہ یہ گھر اور کھیت ہیں سب غیر منقولہ ∴
یہاں گھر اور کھیتوں کو مگر چلتا ہوا دیکھا ∴

دنیا میں صرف ڈل کی کاشت ایسی ہے کہ جس کو پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں ڈل کے ایک کنارہ تخت سلیمان نامی پہاڑ ہے۔ چشمہ شاہی اور پری محل بھی ڈل کے قریب ہی ہیں۔ ایک کونہ میں مہاراجہ کا ایک مختصر سا مکان ہے جب وہ ڈل کی سیر کو آتے ہیں تو یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر چائے وغیرہ پیتے ہیں اس مکان کے متصل پیرنے کی جگہ ہے۔ ہم جس وقت گئے بہت سے انگریز اور انگریزنیاں پیر رہی تھیں۔ ڈل کی سیر کے لئے سر اپلین بنرجی بیرسٹر صاحب حیدر علی مرزا کپٹن رِک سنرک ہم سب دو شکاروں پر گئے تھے۔ پانچ بجے گئے۔ شام کے سات بجے واپس آئے۔ ڈل کی تعریف میں چند اشعار ذیل میں لکھتی ہوں۔ نظم

اللہ اللہ ہے کیا حسنِ چمن پانی میں
گل و گلزار ہے اور سرو سمن پانی میں
کیسے کیسے ہیں دل افروز نظارے اس میں
کوہ پانی میں چمن پانی میں بن پانی میں
تو وہ سیم ہے یہ ڈل کے خزانے میں نہاں
برف کہسار ہے یا عکس فگن پانی میں
قلعہ کوہ پہ ہے تخت سلیماں قائم
اس طرف سبز پری کا ہے وطن پانی میں
ڈل اگر حسن و لطافت میں ہے آبِ حیواں
صورتِ خضر ہے ہر شاخ سمن پانی میں
سبز شاخیں ہیں مگر مصحفِ قدرت کے سطور
حاشیہ انکا ہوا ئین ہر متن پانی میں
ایک طرف پھول کنول کا ہے سجیلا بانکا
مسکراتا ہے کھڑا غنچہ دہن پانی میں
نیلگوں آب پہ دیکھو یہ کنول کی سرخی
حسن کی آگ ہے کیا شعلہ فگن پانی میں
مچلی رہتی ہو جسطرح کسی شوخ کی آنکھ
کھیلتی پھرتی ہو سورج کی کرن پانی میں

ڈل کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہمارے شکارے جب پانی پر سے گزر رہے تھے لمبی لمبی گھاس اور کنول کے پتوں پر سے گزرے اور بھی سیکڑوں شکارے ڈل کے پانی پر چھائے ہوئے تھے۔ زیادہ تعداد ان میں یورپین زن و مرد کی تھی جو شام کی ہوا خوری کے لئے نکلے تھے۔ ہم سب دو شکاروں پر گئے تھے چونکہ شام زیادہ ہوگئی تھی اس لئے ڈل کے پھاٹک پر

شکاروں سے اتر پڑے موٹریں تیار کھڑی تھیں ان پر سوار ہو کر قیام گاہ پر آئے

لکڑی اور چاندی کے کام کی دوکان

۱۸ جولائی۔ بعض کارخانے والے ہر روز بیرسٹر صاحب سے اور مجھ سے بمنت کہتے کہ آپ لوگ ہمارا کارخانہ دیکھئے۔ ہم شکاروں پر سارا سامان آپ کے ملاحظہ کے لئے لا نہیں سکتے ہیں۔ کارخانہ میں ہر قسم کے سامان دیکھکر آپ خوش ہوں گے چنانچہ شوروم دوکان اور کارخانہ جہاں چیزیں بنتی ہیں دیکھنے کے لئے گئے۔ لکڑی کا کارخانہ دیکھا۔ چوبی سامان ہر قسم کے فرنیچر میز کرسیاں تپائیاں اسٹینڈ ٹنگ اسکرین۔ ڈرائنگ روم ڈائننگ روم بیڈ روم میں جسقدر فرنیچر اسباب آسایشی و نمایش کی ضرورت ہوتی ہے سب تیار ہوتے ہیں جالی کا کام نہایت باریک و خوبصورت اسی طرح کارونگ کا کام بے بدل بنتا ہے یورپ والے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لکڑی جو استعمال کی جاتی ہے وہ وال نٹ یعنی اخروٹ کے درختوں کی جس کو جہلم کے پانی میں کچھ دنوں ڈال دیتے ہیں تاکہ سیزنڈ یعنی پختہ ہو جائے اور تڑکے نہیں۔ ان چیزوں کو دیکھکر دل باغ باغ ہو گیا کہ ہمارے دیسی کاریگر بھی ایسی صناعی کرتے ہیں۔ ایک حصہ میں پیپر مشی کا کام بن رہا تھا۔ پیپر مشی کا کام ایران سے آیا ہے۔ کاغذ بھگو کر پیس کر کچھ مصالحہ ملا کر مقوے کی طرح سخت کر کے اسپر بے مثل نقش و نگار کرتے ہیں جیسا نازک کام ہوتا ہے ویسی قیمت ہوتی ہے۔ پیپر مشی کی ہر قسم کی چیزیں بنتی ہیں ڈبیا بٹن۔ گلدان اور پاؤڈر رکھنے کی ڈبیا کاغذ تراش کرسیاں تپائیاں لکھنے کے مختلف سامان۔ میں نے اوٹوگراف کے ایلبم کی جلد پیپر مشی بنانے کو دی کچھ تصویروں کے چوکھٹے پیپر مشی کے خریدے گلدان وغیرہ بنانے کا حکم دیا۔ لکڑی کا سامان بھی بہت سا خریدا۔ یہاں سے فقیر محمد تاجر کے کارخانہ میں گئے۔ یہاں چاندی کا کام نہایت پاکیزہ ہوتا ہے۔

اس قدر صفائی سے چیزیں بناتے ہیں کہ انسان دیکھا کرے۔ کشمیر کے شال اور ریشمی کام کی ساریاں وغیرہ تو مشہور ہی ہیں علاوہ ان کے چاندی کا کام پیپر مشی کا اور لکڑی کا کام بھی بے مثل یہاں ہوتا ہے۔ میں نے ایک پاندان اور ایک چار کا سٹ اور بہت سے چاندی کے چنار کے پتے بنانے کا آرڈر خضر محمد کو دیا۔ چاندی کے پتے بالکل اصلی پتوں کی طرح بنائے جاتے ہیں۔ فی تولہ ایک روپیہ کے حساب سے بناتے ہیں یہاں سب سے چاندی کا سامان بنانے کے کارخانوں میں خضر محمد اعتبار کے آدمی ہیں۔ وہاں سے بارہ بجے کے قریب ہوس بوٹ میں واپس آئی۔ چار بجے مسٹر و مسز وکفیلڈ کے ہاں چائے کی دعوت میں گئے ایک عرصہ تک مسٹر وکفیلڈ حیدرآباد میں عہدہ دار رہ چکے تھے مسز وکفیلڈ سے مجھ سے وہیں کی ملاقات ہے۔ چائے پر اور بھی لوگوں کو بلایا تھا۔ آج ان کے ہاں مردانہ میں ایک کمیٹی تھی ایک انجمن عورتوں کی تعلیم و ترقی کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اس کمیٹی کی ممبر کوئی مسلمان عورت نہیں ہے۔ ہندو اور عیسائی عورتیں اس کی ممبر ہیں کس قدر افسوس کا مقام ہے جہاں دیکھو مسلمانوں کی حالت پست و ابتر ہے مسز وکفیلڈ نے کہا کہ پردہ کی سختی مسلمان عورتوں کو ایسے کاموں میں شرکت سے روکتی ہے۔ مسٹر وکفیلڈ سے اور بیرسٹر صاحب سے مسز وکفیلڈ سے حیدرآباد کے متعلق بہت سی باتیں رہیں۔ مسٹر وکفیلڈ نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنا ہوس بوٹ میرے مکان کے قریب جو ڈل کا حصہ ہے وہاں لے آئیے تاکہ جب تک آپ یہاں ہیں اکثر اوقات ہم آپ ملا کریں۔ آپ کا ہوس بوٹ بہت دور ہے۔ مسز وکفیلڈ کا مکان ایک پہاڑی پر ہے۔ چاروں طرف نہایت خوشنما مناظر ہیں مسٹر وکفیلڈ سے رخصت ہو کر چشمہ شاہی جو وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر ہے دیکھتے ہوئے آئے۔

چشمہ شاہی

عجب تاثیر حق نے چشمہ شاہی کو بخشی ہے
بلک شیریں خنک پانی نہیں اس سے سوا دیکھا

میرا خیال تھا کہ چشمہ شاہی ایک چھوٹا سا چشمہ ہوگا لیکن یہ بہت بڑا چشمہ ہے ایک

پہاڑ پر جانا ہوتا ہے وہاں عمارت بنی ہوئی ہے۔ اس عمارت کے اندر ایک پختہ اور وسیع حوض بنا ہوا ہے۔ اس کے بیچ میں سے فوارہ کی طرح پانی نکل رہا ہے۔ دن رات بہتا رہتا ہے سیکڑوں آدمی آتے ہیں اور اس حوض میں سے پانی لے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے قریب خیمے لگا رکھے ہیں جنہیں رہتے ہیں اور اس چشمہ کا پانی پیتے ہیں۔ پانی نہایت ہاضم اور بہت سی بیماریوں کے لئے مفید ہے پانی نہایت شفاف شیریں اور برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔ جس عمارت کے نیچے یہ چشمے ہیں وہاں تین مکان الگ الگ بنے ہوئے ہیں تیسری عمارت کے نیچے آبشار ہے۔ اتوار کے دن بہت لوگ یہاں سیر کو آتے ہیں۔ سری نگر کا یہ چشمہ مشہور ہے۔ یوں تو کشمیر میں ہزاروں چشمے ہیں لیکن اس کی خصوصیت یہ ہے کہ سلاطین تیموریہ اسی کا پانی پیتے تھے اس وجہ سے چشمہ شاہی کہلاتا ہے۔ بلحاظ اعلے صفتوں کے اسم باسمٰے ہے۔ یہ چشمہ گپکار کے قریب ہے دو قسم کے چشمے ہوتے ہیں ایک کوہی دوسرا ارضی۔ ایک پہاڑ سے نکلتا ہے اور دوسرا زمین سے۔ یہ ارضی چشمہ ہے۔

میوزیم

۱۹ار آج کے دن کا بڑا حصہ لکھنے میں گزرا۔ نورجہاں کے رسالہ کے اڈیٹر کے پاس وہ نظم بھیجدی جو میں نے نورجہاں کے لئے ریل میں لاہور آتے وقت لکھی تھی۔ تیسرے پہر کو میں نے مسٹر حامد علی کلکٹر سندھ اور ان کی اہلیہ کو چائے نوشی کے لئے مدعو کیا تھا وہ لوگ آئے چائے سے فارغ ہونے کے بعد میوزیم دیکھنے گئے۔ عمارت کچھ ایسی بڑی نہیں ہے اور نہ ذخیرا بڑا ہے۔ ایک کرہ میں پرانی دستکاری کی چیزیں ہیں اور ایک میں موجودہ زمانہ کی دستکاری کی چیزیں ہیں۔ ایک میں قلمی کتابیں بہت قدیم زمانہ کی ہیں یہاں چند فرامین جہانگیر اور شاہجہاں کے قلمی بھی ہیں۔ دو کمروں میں قدیم زمانہ کے دوشالے شال

رومال شال چادریں قابل دید ہیں۔ برآمدہ میں اور ایک بڑے کمرہ میں زمین کی کھودوائی سے جو چیزیں نکلی ہیں وہ جمع ہیں اسی میوزیم کے ایک جانب سرکاری کتبخانہ بھی ہے۔ اس کے متعلق ایک بہت بڑا باغ ہے۔ چمن بندی بہت خوبصورت ہے اور میووں کے درخت کثرت سے ہیں میں روزانہ صبح کو اس باغ میں ہواخوری کو جایا کرتی تھی۔ ہم لوگ باغ میں ٹہل کر شام کے وقت واپس آئے مسٹر اور مسز حامد علی رخصت ہوئے کل چائے نوشی کے لئے ان دونوں میاں بیوی نے ہم لوگوں کو مدعو کیا۔ اسی میوزیم کے دیکھنے کے لئے اوقات مقررہ میں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔

۲۰ جولائی نماز صبح پڑھنے کے بعد میوزیم کے باغ میں جو میرے ہوس بوٹ کے سامنے ہے ہواخوری کو گئی وہاں سے واپس آنے کے بعد چائے ناشتہ سے فراغت کی۔ کچھ وقت کتب بینی میں گزرا۔ تیسرے پہر کو مسٹر اور مسز حامد علی کے ہاں چائے کی دعوت میں ہم سب گئے مسز حامد علی سے مختلف مباحث پر گفتگو رہی خصوصاً آل انڈیا لیڈیز تعلیمی کانفرنس کے متعلق میں نے کہا کہ کارروائی اردو میں نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان خواتین بہت کم شریک ہوئیں لہذا کارروائی اردو میں ہونی چاہیئے۔ اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہندوستان کی قومی اور عام زبان ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مسز حامد علی نے مجھ سے اختلاف کیا وہ چاہتی ہیں کہ انگریزی میں کارروائی ہوتی رہے۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد ہم سب ٹہلنے کو نکلے۔ شام کے وقت ہوس بوٹ میں دم گھبراتا ہے اس لئے ہواخوری کے لئے باہر جانا ہوتا ہے خواہ شکارہ پر یا چہل قدمی کے لئے۔ قریب مغرب ہم لوگ مسز حامد علی سے رخصت ہوئے۔ رخصت ہونے کے وقت انھوں نے مجھ سے کہا کہ ۲۲ جولائی کو آپ میرے ہاں آئے۔ ہم سب ہارون دیکھنے جائیں گے۔ ہوس بوٹ میں آنے کے بعد بیرسٹر صاحب اور حیدر علی مرزا سر ابلین بنرجی کے ہاں ڈنر کی دعوت میں گئے۔

۱۲ جولائی۔ آج جو خطوط حیدرآباد وغیرہ سے آئے ہیں ان میں ایک خط میرے بھائی کرنل ریاست علی مرزا کا بھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ سید محمد کاظم میرا ہمشیرزادہ فرزند مولوی سید اعجاز حسین ناظم اسٹیٹ نواب سالار جنگ بہادر بغرض تعلیم انگلستان جانے کے لئے ۱۳ جولائی کو حیدرآباد سے روانہ ہوا بہت ہونہار لڑکا ہے انیسویں سال اس نے سائنس میں بی اے سی کی ڈگری علیگڈھ یونیورسٹی سے حال ہی میں لی ہے خدا اس کو کامیاب لائے۔ مدرسہ قریہ۔ مدرسہ شکر گنج مدرسہ سرور نگر و مدرسہ واقع ہمایون نگر وغیرہ جو میری نگرانی میں ہیں اور انجمن خواتین دکن کے تحت ہیں جنہیں سرکار سے (رقمی) امداد ملتی ہے ہر ماہ برآوردات میری دستخط کے لئے حیدرآباد سے آتی ہیں۔ میں دستخط کر کے واپس بھیج دیا کرتی ہوں اس کے بعد صدر محاسبی سرکار عالی سے چک آنے اور خزانہ عامرہ سے رقوم منگوا کر صدر معلمات تقسیم کرتی ہیں حسب عملدرآمد برآوردات بذریعہ ڈاک آج آئیں اور میں نے فوراً دستخط کر کے آج ہی کی ڈاک سے واپس بھیج دیں۔ کپڑے والے اور پیپر منشی وغیرہ کے سامان بھیجنے والے شکاروں پر صبح سے شام تک پہرا کرتے ہیں اور مجھے بہت پریشان اور تنگ کرتے ہیں چاہے لوں یا نہ لوں مگر وہ اپنا سامان ضرور دکھاتے ہیں۔ کبھی کچھ لے بھی لیتی ہوں مگر وقت دیکھنے دکھانے میں فضول صرف ہوتا ہے لاکھ کہوں مجھے ضرورت نہیں مگر سنتا کون ہے انتہا لجاجت و منت و سماجت سے کہتے ہیں گڑگڑانے لگتے ہیں حضور ایک نظر ان چیزوں کو ضرور دیکھیں! مجبوراً کچھ دیکھنا ہی پڑتا ہے۔ آج بھی بہت سا وقت اسمیں گزرا۔ تیسرے پہر کو مسٹر احسان علی کے ہاں چائے کی دعوت میں گئی وہاں فاطمہ بیگم صاحبہ بنت مولوی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار بھی تھیں ادھر ادھر کی گفتگو رہی۔ چار بجے ہم سب شکارہ میں بیٹھ کر سیر کو نکلے۔ شام کو گھر واپس آئے آج صبح کو ہم نے اپنا ہوس بوٹ بدل دیا ہے۔ آج تک جس میں تھے وہ بہت بڑا تھا ماہانہ ڈھائی سو کرایہ تھا۔ بوجہ بڑے اور وزنی ہونے کے ایک جگہ سے دوسری جگہ

جاتے ہیں بہت سے مزدوروں کے لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اب جو بوٹ لیا ہے یہ بھی اچھی طرح آراستہ ہے اس کا کرایہ سوا سو ماہانہ ہے موسم کے لحاظ سے اور جب سیاحوں کی کثرت ہوتی ہے تو ہوس بوٹوں کا کرایہ گراں ہو جاتا ہے وہی ہوس بوٹ جو سیزن میں سو کو ملتا ہے وہ غیر سیزن پچاس ساٹھ روپیہ ماہانہ کو مل جاتا ہے۔ ان دنوں یہاں کا سیزن ہے سیاح بھی بکثرت آئے ہوئے ہیں۔

ہارون

۲۲ جولائی صبح کو تو مختلف اشغال میں مشغول رہی۔ تیسرے پہر کو مسز حامد علی کے ہاں گئی۔ مسز حامد علی اور ہم مسز عبدالقیوم یعنی اہلیہ مسٹر عبدالقیوم سکریٹری کبنیٹ کانسل کے ہاں گئے وہاں ایک لیڈی ڈاکٹر مسز گپتے بھی آئی ہوئی تھیں۔ ہم سب ملکر ہارون دیکھنے گئے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچنے کے پانی کا خزانہ ہے پانی فلٹر کیا جاتا ہے اور سارے سری نگر میں بذریعہ پائپ (نلوں) کے پانی پہنچایا جاتا ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا تالاب ہے اس تالاب کے کنارے ایک پہاڑی پر مہاراجہ کشمیر کا ایک مکان ہے شکار کے لئے مہاراجہ اس طرف آتے ہیں کیونکہ ادھر کے پہاڑوں پر جنگل بہت ہے تو اسی مکان میں مقام کرتے ہیں۔ ہمنے اس مکان کو بھی اندر جا کر دیکھا مختصر سا ہے مگر بہت آراستہ ہے اور چمن بہت خوبصورت ہے۔ ایک پر فضا مقام پر بیٹھ کر ہم سب نے چائے پی۔ چائے بنانے کا سامان ساتھ تھا۔ مسز گپتے نے ہم لوگوں کی تصویر لی۔ ان کے ساتھ فوٹو لینے کا کمرہ تھا ہارون میں ایک جگہ بنائی گئی ہے جہاں ٹروٹ ایک قسم کی ولایتی مچھلی پرورش کی جاتی ہے۔ اس کے بچے انگلستان سے ابتداً منگائے گئے تھے چونکہ کشمیر سرد مقام ہے یہاں یہ زندہ رہ سکتی ہیں نہایت لذیذ ہوتی ہیں سیمن مچھلی جو ولایت کی بہت مشہور اور قیمتی مچھلی ہے اسی نوع کی ہے شکل ذائقہ وغیرہ مشابہ ہوتا ہے۔ کئی حوض لمبے لمبے ہیں ایک سے

دوسرے میں جانے کا راستہ ہے۔ ایک میں مچھلیاں انڈے دیتی ہیں جب بچے ذرا بڑے ہو جاتے ہیں تو دوسرے حوض میں منتقل کئے جاتے ہیں انکے بعد تیسرے میں۔ ان کی نگہبانی اور پرورش کے لئے بہت سے ملازمین ہیں اسی قسم کی ٹروٹ مچھلی کی پرورش گاہیں سری نگر میں اور دو تین جگہ میں ایک انگریز افسر کے تحت شکارگاہیں اور مچھلیوں کی پرورش گاہیں ہیں۔ یہ مچھلیاں مالدار انگریز جو سیاحت کو آتے ہیں بہت شوق سے پکاتے ہیں قیمت فی پاؤنڈ (نصف سیر) عہ مگر شرط یہ ہے کہ چھ پاؤنڈ سے کم نہیں بیچی جاتی۔ چھ پاؤنڈ کی وزن میں خواہ کوئی ایک مچھلی لے یا دو تین چھوٹی چھوٹی لے لے مگر چھ پاؤنڈ لینا ضرور ہے ایک تو نرخ بھی گران اسپر یہ تین سیر کی قید بہت فضول ہے۔ اگر کوئی لیتا ہے وہ تین سیر مچھلی بیک وقت کھانے سے رہا اس لئے فروخت کم ہوتی ہے۔ ہارون بلند اور نہایت پر فضا مقام ہے چاروں طرف کا نظارہ بہت دلکش ہے وہاں سے ہم سب شالامار باغ دیکھنے گئے۔ آج اتوار کا دن ہے پانی چھوڑ دیا جاتا ہے اور سب فوارے چلنے لگتے ہیں۔ ہر اتوار کو ایسا ہی انتظام کیا جاتا ہے۔ ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا ہے۔ دوکانیں ہر قسم کے چیزوں کی چار دیواری کے باہر لگائی جاتی ہیں ایک میلہ سا رہتا ہے

شالامار باغ

جب ہم باغ میں پہنچے تو سبحان اللہ قدرت خدا نظر آئی سیکڑوں فوارے چھوٹ رہے ہیں مصنوعی آبشار کی چادریں چل رہی ہیں۔ کئے درجے ہیں ایک سے دوسرا ذرا بلند۔ آخر حصہ بلندی کا پہاڑوں کے سلسلہ سے جا ملا ہے۔ ہر ایک سطح درجہ چبوترہ کے طور پر بٹا گیا ہے اسمیں چھوٹے چھوٹے کچھ مربع کچھ بیضاوی دس دس بارہ بارہ حوض اور ہر حوض میں دس دس بارہ بارہ فوارے یہ حوض سارے کے سارے اسقدر

خوبصورت بنائے گئے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اوپر کے درجہ سے نیچے درجہ میں پانی کی چادر چھوٹتی ہوئی گرتی ہے۔ یہ وہاں سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں ہر چبوترہ کے بیچ کے حصے میں متعدد حوض چھوٹے بڑے اور دونوں جانب پھولوں کی خوش وضع کیاریاں ہیں۔ ان کٹے چبوتروں کے نیچے کا دونوں حصوں کی لمبائی ۵۰۰ گز بتلائی جاتی ہے۔ چاروں طرف چار تختے ہیں چوتھے تختہ کا بالائی حصہ بیگمات شاہی کے لئے مخصوص تھا حرم شاہی کے لئے جو عمارت اس حصہ میں ہے وہ سیاہ سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی ہے۔ چھت ستون میں جابجا نبت کاری کی گئی ہے۔ حوض بہت گہرے نہیں ہیں ½ ۳ فیٹ عمق ہے۔ کل فوارے ۱۴۰ ہیں اس باغ میں چھ قطعہ مکانات ہیں اور سب سنگ مرمر کے ہیں۔ اخیر میں پھاٹک کی جانب ایک بارہ دری ہے جہاں سے کل فواروں کے چھوٹنے کا نظارہ بادشاہ دیکھتا تھا۔ ڈل کے کنارہ پر باغ ہے اس کی تاریخی کیفیت یہ ہے کہ آٹھ نو سو سال کے قبل راجہ پرورسین نامی بانی سری نگر نے ڈل کے کنارہ شہر سے شمال و مشرق رویہ ہارون کے نیچے ایک آرام گاہ بنائی تھی وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر ایک عابد فقیر شنکر یہ سوامی نامی رہتا تھا راجہ اس کا بہت معتقد تھا جب وہ فقیر سے ملنے کو جاتا تھا تو اسی آرام گاہ میں تھوڑی دیر ٹھہرتا تھا۔ امتداد زمانہ سے یہ آرام گاہ مٹ گئی ہے اس آرام گاہ کے اردگرد ایک گاؤں آباد ہو گیا تھا۔ اس آرام گاہ کا نام شالامار رکھا گیا اس کے معنی محبت کی جگہ۔ جہانگیر نے یہ مقام پسند کیا اور سنہ ۱۶۱۹ء میں اسی گاؤں میں ایک باغ فرح بخش کے نام سے بنوایا۔ اس کی تاریخ یہ ہے ؎

چو شد آراستہ باغ فرح بخش — بحکم حضرت ظل الٰہی
شہنشاہ شہنشاہان جہانگیر — کہ مشہور است از مہ تا بماہی
پئے تاریخ ایں گلزار ریحان — خرد فرمود فرحت گاہ شاہی

اس باغ کی عمارت کی بنا سنہ ۱۰۲۸ھ میں جہانگیر نے ڈالی شہزادہ خرم جو بعد کو شاہجہاں ہوا جس کو عمارات کی تعمیر سے بڑی دلچسپی بچپنے ہی سے تھی باپ کے ہمراہ تھا باغات و عمارات کا شوق دیکھکر جہانگیر نے تعمیر کی تکمیل کا بیٹے کو حکم دیا تعمیر کا کام شہزادہ کے سپرد کرنے کے بعد کئی مہینے بادشاہ کا قیام کشمیر میں رہا اس عرصہ میں شہزادہ نے باغ کا بہت سا حصہ تعمیر کروایا باغ کی تکمیل سنہ ۱۰۳۱ھ میں ہوئی جہانگیر کی زندگی میں باغ تیار ہو گیا تھا جس کو دیکھکر بادشاہ بہت محظوظ و خوش ہوا نور جہاں نے بھی اظہار مسرت کیا۔ باغ کا نظارہ دیکھکر مجھے بڑی عبرت و حسرت ہوئی اللہ اللہ کہاں اس وقت جہانگیر اور کہاں ان کی محبوبہ نورجہاں اب وہ دونوں مٹی کے ڈھیر کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ ہڈیاں بھی باقی نہونگی شام کے چھ بجے کے بعد وہاں سے واپس ہوئے شب کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ایک خط اپنی قدیم دوست بیگم صاحبہ مانا وادر کو کاٹھیاواڑ بھیجنے کے لئے لکھا ایک خط اپنی عزیز بیگم شمس الدین شاہ کو پونا اور ایک خط اپنے محترم بزرگ جنرل سر افسر الملک بہادر کو حیدرآباد بھیجنے کے لئے لکھا پھر ڈائری لکھی۔

جامع مسجد

ایک دن بیرسٹر صاحب حیدر میاں اور میں جامع مسجد دیکھنے گئے۔ یہ مسجد فن تعمیر کا بہترین نمونہ۔ سلطان سکندر نے جو سنہ ۷۹۶ھ سے سنہ ۸۲۰ھ تک کشمیر کا حکمران تھا اس مسجد کی بنا سنہ ۸۰۰ھ میں ڈالی سنہ ۸۰۴ھ میں اس کی تعمیر مکمل کی۔ مادہ تاریخ جامع مسجد کشمیر ہے مسجد کا صحن بہت وسیع ہے۔ چاروں طرف عمارت ہے صحن میں چنار کے بڑے بڑے درخت ہیں جن کو حسن شاہ نے سنہ ۸۸۵ھ میں نصب کئے تھے۔ حسن شاہ سکندر شاہ کا پرپوتا تھا اور سلطان زین العابدین معروف بڈشاہ کا پوتا تھا۔ اس مسجد کے تین عظیم الشان پھاٹک ہیں۔ ایک پھاٹک پر مسجد کی تاریخ کندہ ہے اور چند کتبے ہیں چاروں طرف بڑے بڑے

دالان ہیں۔ چھت لکڑی کی ہے جو ۳۷۸ ستونوں پر قایم ہے۔ ہر دالان کے وسط میں ایک مینار ہے بہت بلند ہے اور ہر ایک مینار لکڑی کے آٹھ ستونوں پر قایم ہے اس قسم کے ۴۵ ستون میناروں کے نیچے ہیں۔ یہ چوبی ستون دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں دیکھکر انسان دنگ ہو جاتا ہے کہ اس قدر بڑے بڑے لکڑی کے ستون کس طرح لائے گئے اور نصب کئے گئے ہونگے۔ مسجد کی دیواریں بہت چوڑی ہیں پتھر کی بڑی بڑی سلوں سے بنائی گئی ہیں مسجد کے شمالی و جنوبی دالانوں کی لمبائی ۳۸۴ فٹ ہے شرق کی طرف کے دالان کی لمبائی ۳۷۸ فٹ اور مغرب کی جانب دالان کی لمبائی ۳۸۱ فٹ ہے۔ دالانوں کی لمبائی اس قدر رکھی گئی ہے کہ علاوہ امام کے بیک وقت (۳۳۳۳۳) آدمی سجدہ میں جائیں اور ایک لاکھ دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ ورد ہو۔ مسجد کی چھتیں بھوج پتر سے بنی ہیں اور مٹی سے لپٹی ہوئی ہیں موسم بہار میں چھتوں کی مٹی میں پھول نکل آتے ہیں جو بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ سلطان زین العابدین معروف بڈشاہ جو بہت روشن خیال اور علم دوست بادشاہ گزرا ہے اس نے سنہ ۸۲۶ھ میں بنائی تھی اس مسجد کے ایک جانب ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا اور چند گاؤں اخراجات کے لئے وقف کئے تھے سلطان حسن شاہ کے عہد میں یعنی سنہ ۸۸۰ھ میں مسجد جل کر بالکل خاک ہو گئی تھی مگر حسن شاہ نے از سر نو طرز قدیم پر مسجد بنوادی اور چنار کے درخت لگوا دیئے جو آجتک موجود ہیں۔ محراب میں گلکاری کروائی کتبے لکھوائے مادہ تاریخ یہ نکلی "مسجد اسس علی التقویٰ" لیکن ابھی تعمیر بالکل ختم نہ ہوئی تھی کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ سنہ ۹۰۹ھ میں کشمیر کے ایک رئیس اعظم ابراہیم بن احمد ماگرے نے تعمیر ختم کروادی۔ جہانگیر کے زمانہ میں سنہ ۱۰۲۹ھ میں مسجد کو پھر آگ لگی۔ چونکہ مسجد کے ستون چھت اور نیچے کا فرش سب لکڑی کا ہے اور جاڑوں میں امیر غریب سب کانگڑی لئے رہتے ہیں ممکن ہے اس لئے مسجد بار بار جلا کرتی ہے علاوہ مسجد کے مسجد کے قرب و جوار میں جو مکانات تھے ان میں بھی بوجہ زیادہ چوبینا ہونے

کے وہ بھی نذر آتش ہو گئے بارہ ہزار مکانات جلے۔ جہانگیر اس وقت کشمیر میں موجود تھا۔ اس آتش زدگی سے بہت متاثر ہوا فوراً حکم میر عمارت کو دیا کہ مسجد از سر نو جس قدر جلد ممکن ہو تعمیر کی جائے۔ چنانچہ حسب الحکم شاہی حیدر ملک چاڈوری نے ۷ سال میں مسجد کی تعمیر ختم کی۔ اس جدید تعمیر کے متعلق جنوبی دروازہ پر کتبہ شفاف پتھر پر لکھا ہوا موجود ہے اسی دروازہ پر داہنی طرف ایک اور سیاہ پتھر پر شاہجہاں کا فرمان کندہ ہے۔ شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ میں سنہ ۱۰۸۴ھ میں مسجد کو پھر آگ لگی تقریباً دس گیارہ ہزار اطراف کے مکانات بھی جل گئے۔ عالمگیر نے بعرصہ تین سال مسجد از سر نو بنوادی اور بڑی ہوشیاری یہ کی کہ مسجد کے چاروں طرف جو مکانات جلے تھے وہاں کی زمین خرید لی اور جنکے مکانات جلے تھے ان کو معاوضہ بھی دیا اور وہاں سب میدان کر دیا چاروں طرف دور دور تک ایک مکان باقی نہ رکھا تا کہ آیندہ آتش زدگی کا کم احتمال ہو اس کے بعد افغانوں کے عہد حکومت میں اس مسجد کی تعمیر و مرمت ہوئی۔ سکھوں کے زمانہ میں دیوان موتی رام ناظم کشمیر نے سنہ ۱۲۳۵ھ میں مسجد کو ضبط کر لیا اور مسجد کے متعلق جاگیرات وغیرہ تھیں وہ بھی ضبط کر لیں۔ تئیس سال تک مسجد بند رہی نہ اذان نہ نماز نہ کوئی آتا نہ جاتا۔ سکھوں نے مہاراجہ شیر سنگھ کے زمانہ میں شیخ غلام محی الدین حاکم کشمیر نے مہاراجہ سے اجازت لیکر مسجد واگزار کروایا کنواں کھدوا کچھ ضروری مرمت کی غرض ڈیڑھ دو لاکھ کے صرفہ سے مسجد کو درست و آباد کیا۔ حال فرمانروا کے دادا مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں مسلمانوں نے عام چندہ کر کے مسجد کی دو دفعہ مرمت کی پھر رنبیر سنگھ کے فرزند مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ایک دفعہ اپنے ابتدائی زمانہ میں بیس ہزار کے صرفہ سے مسجد کی مرمت کروائی تھی پھر سنہ ۱۹۱۳ء میں انہیں مہاراجہ کے عہد میں مولوی مقبول حسین ریونیو منسٹر (وزیر مال) کشمیر نے مہاراجہ کو اور رزیڈنٹ کو متوجہ کر کے مسلمانوں سے چندہ لے کر کئی سال میں مرمت کروائی۔ چندہ کی

رقم کا اندازہ پانچ لاکھ ہوا۔ مہاراجہ نے بھی ریاست کی جانب سے بیس ہزار دیئے۔ سرکار انگریزی نے رزیڈنٹ کے ذریعہ پانچ ہزار دیئے۔ چندہ عام کی یہ ترکیب نکالی گئی تھی کہ زمیندار جس قدر مال گزاری ریاست کو دیتے تھے تعداد اس پر فی روپیہ دو پیسہ چندہ دیں اس طرح سالانہ اکٹھ ہزار روپے جمع ہوتے تھے جو صرف ہوتے جاتے تھے یہ بھی سنا ہے کہ ابتک چندہ دیتے رہے ہیں۔ مولوی مقبول حسین اب کشمیر میں نہیں ہیں مگر یہ کار نامہ چھوڑ گئے۔ مسجد کے صدر دروازہ پر تاریخ کندہ ہے۔

پتھر کی مسجد

نور جہاں نے ۱۰۳۲ھ میں بزمانہ قیام کشمیر دریائے جہلم کے کنارہ یہ سنگی مسجد تعمیر کروائی اس مسجد کی صفت یہ ہے کہ کسی جگہ لکڑی یا اینٹ سے کام نہیں لیا گیا ہے دیواریں چھتیں سب پتھر ہی پتھر ہیں۔ اس مسجد پر بھی آفتیں آئیں گو بوجہ سنگ بستہ ہونے کے آگ سے تو محفوظ رہی لیکن افغانوں کے زمانہ میں ۱۱۶۹ھ میں جب کشمیر میں قحط آیا تو غلہ کا اسی مسجد میں انبار لگایا جاتا تھا۔ ایک زمانہ کے بعد ۱۳۰۰ھ میں میر طرار خاں گورنر کشمیر نے آباد کروایا تھا لیکن اب بھی بند ہے نماز وغیرہ نہیں ہوتی اور جب قحط رونما ہوتا ہے تو چانول جسے کشمیری زبان میں شالی کہتے ہیں وہ یہاں جمع کیا جاتا ہے مسلمانوں نے کئی دفعہ مہاراجہ پرتاب سنگھ اور حال فرمان روا سے عرض کی کہ مسجد مسلمانوں کے لئے کھول دی جائے مگر درخواست منظور نہیں ہوئی۔

کشمیر کی درگاہیں

۲۹۔ جولائی۔ میں نے سنا تھا کہ یوذ آسف کا مزار کہیں

سری نگر میں ہے یہ سنکر مجھے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ میرے والد مرحوم مغفور سرجن کیپٹن ڈاکٹر صفدر علی مرزا صاحب مرحوم نے یوذ آصف و حکیم بلوہر کا قصہ لکھا جو کئی دفعہ مدراس یونیورسٹی میں اور نیز حیدر آباد کے کالجوں کے بی۔ اے جماعت میں شامل نصاب رہا کیا ہے اس لئے میرا خیال ہوا کہ میں ان کے مزار پر جاکر فاتحہ تو پڑھوں اس خیال سے ہم لوگ گھر سے نکلے راستہ میں موٹر ڈرایور نے ایک جگہ پہنچ کر کہا کہ یہاں سے قریب حضرت نقشبندی صاحب کا مزار ہے اور یہ بہت بڑے بزرگ تھے آپ چل کر اس کو بھی دیکھ لیں تو مناسب ہے چونکہ بزرگان دین سے مجھے عقیدت ہے میں نے کہا پہلے وہیں چلو موٹر والا اودھر لے چلا۔ غرض وہاں پہنچے۔ یہ مزار امیر اکدال (پہلے پل کا نام) کے قریب ہے۔ یہ مزار بہت بڑے احاطہ کے اندر ہے۔ ایک مسجد بھی بہت بڑی اس احاطہ کے اندر ہے۔ مسجد کا فرش مختلف رنگوں کے پتھر کا ہے اور نہایت خوبصورت جالی کا کام دیواروں میں کیا گیا ہے۔ امام جہاں کھڑا ہوتا ہے وہ جگہ نہایت خوبصورت بنائی گئی ہے۔ یہ مسجد بعہد جہانگیر ۱۰۱۶ھ میں تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد کے گنبد اور مزار کا گنبد اس وضع کا ہے یہاں کشمیر میں جتنے گنبد ہیں مزارات کے اور مسجدوں کے سب اسی وضع و ترکیب کے ہیں۔ حیدر آباد میں اور ہند کے دوسرے مقامات میں مسجدوں کا گنبد گول و مدور ہوتا ہے۔ یہاں کے مندر بھی اسی وضع کے ہیں جیسا نقشہ اوپر بنایا ہے۔ نقشبندی صاحب کے مزار کی دیواروں پر مناجات لکھی ہوئی ہے۔ چند اشعار میں نے لکھ لئے تھے ان میں سے دو بطریق نمونہ لکھتی ہوں ؎

درد مندانیم با افغان و خیزان آمدیم — چارہ مجوئیم از دار الشفاء نقشبند
ما فقیراں را قلندر را احتیاج مال نیست — خاک را می شود از کیمیائے نقشبند

مزار کے چاروں طرف لکڑی کا کام بہت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ فاتحہ پڑھکر ہم یہاں سے چلے۔ اس درگاہ کے قریب ایک مقام ہے جہاں حضرت غوث اعظم کا موئے مبارک ہے ہر سال گیارھویں کی جاتی ہے موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ یہاں بھی ایک گنبد بنا ہوا ہے یہاں سے ہم حضرت مخدوم صاحب کے مزار پر گئے۔ یہ درگاہ ایک پہاڑ پر ہے سو سیڑھیوں سے زیادہ کی چڑھائی ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ سیڑھیاں یہاں چڑھنی ہونگی اور وہ بھی اس قدر مگر قریب آ چکی تھی فاتحہ ضرور پڑھنا چاہیئے آخر سیڑھیاں چڑھنی پڑیں۔ میں تھک کر چور چور اور بہت خستہ ہوگئی۔ ان کو لوگ مخدوم جہاں کہتے ہیں سہروردیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں ان کے پیر و مرشد حضرت سید شاہ جلال الدین بخاری علیہ الرحمۃ تھے۔ حضرت مخدوم جہاں کی ولادت سنہ ۹۰۰ھ میں بتلائی جاتی ہے اور وصال سنہ ۹۸۴ھ میں ہوا حضرت کی وفات کی تاریخ یہ ہے

شیخ حمزہ مرشد والاگہر — فوت شد در بست چارم در صفر
رفت اکمل یافت فضل کردگار — عاقبت در سنہ صد و ہشتاد و چار

حضرت کا گنبد بہت بڑا ہے۔ نہایت خوبصورت لکڑی کی جالی بنی ہوئی ہے۔ اکبر بادشاہ نے یہ گنبد اور جالی بنوائی تھی۔ حضرت کے گنبد کے اندر اور بھی چند قبریں ہیں۔ اطراف میں غریبوں کے گھر ہیں۔ یہ مزار پہاڑ پر ہے چاروں طرف جنگل ہے۔ ۲۴ر صفر کو حضرت کا عرس بہت دھوم سے ہوتا ہے۔ ان کے لوگ بہت معتقد ہیں۔ فاتحہ پڑھ کر وہاں سے چلے یوذاسف کے مزار کے دیکھنے کے اشتیاق میں چلے تھے مگر پتہ نہیں ملتا بہت سے لوگوں سے دریافت کیا مگر کوئی بتاتا نہیں آخر ایک مسن شخص نے بتلایا کہ محلہ خان یار میں ایک گنبد ہے ممکن ہے وہی ہو لیکن کوئی یوذآسف نہیں کہتا حضرت عیسیٰ کا مزار کہتے ہیں بہر حال وہاں گئے۔ اس گنبد کے اندر ایک مزار ہے جس کے چاروں طرف لکڑی کی جالی لگی ہوئی ہے۔ جالی کے اندر مزار کے برابر ایک پتھر پر دو قدم کے

نشان بنے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے انہیں کے پیر کے نشان ہیں دیواروں پر لوگوں نے طرح طرح کی عبارت لکھدی ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ عیسیٰ پیغمبر تو زندہ ہیں۔ کسی نے لکھا اس نام کی ایک کتاب بھی ہے۔ کسی نے لکھا یہ یوذاسف کا مزار ہے۔ کسی نے لکھا ہے اس نام کی ایک کتاب کسی زمانہ میں تھی اب لاپتہ ہے۔ کسی نے لکھا کہ اس مزار کو کھدوانا چاہیئے تو معلوم ہوگا اندر کیا ہے جسطرح ٹکسیلا کھدوا گیا اور مصر میں طوطاخامان کھودا گیا۔ میں نے بھی دیوار پر لکھدیا اس نام کی کتاب حیدرآباد دکن میں ملتی ہے۔ ایک یہ روایت سنی کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اور انکی جماعت والوں نے اس کو حضرت عیسیٰ کا مزار مشہور کیا ہے۔ بعض لوگوں نے وہاں کہا کہ اسمیں دو مزار ہیں ایک یوذالف کا دوسرا حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے ایک فرزند کا۔ بعض لوگ اس کو مقام پیغمبر بھی کہتے ہیں۔ خواجہ محمد اعظم نے جو تاریخ سنہ ۱۱۶۹ھ میں لکھی اس میں لکھتے ہیں کہ زمانہ سابق میں ایک شہزادہ تھا جو تقویٰ و پارسائی و زہد میں شہرت تامہ رکھتا تھا کشمیر کی رسالت پر مبعوث ہوا اس کا نام یوذالف تھا اور محلہ خان یار میں مدفون ہوا۔ ملا احمد عزنی فارسی و عربی کے علاوہ زبان سنسکرت کے بھی عالم تھے اور زین العابدین بڈشاہ کے درباری تھے جنھوں نے تاریخ رتناگر اور مہابھارت کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی میں کیا ہے وہ اپنی کتاب اسرارالاخیار میں جو کشمیر کے متعلق ہے لکھتے ہیں کہ بڈشاہ اور اس وقت کے بادشاہ مصر سے دوستانہ تھا۔ بادشاہ مصر نے چند تحفے یوذآلپ[ل] کے ہاتھ بھیجے۔ بادشاہ کشمیر کو یوذاسپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ وہ اخلاد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا اس طرح مصر سے کشمیر آنا جانا یوذاسپ کا رہا۔ نصیرالدین بیہقی کشمیر سے بغرض حج جب مکہ معظمہ گئے تو یوذاسپ بھی بغرض ادائے حج وہاں موجود تھے نصیرالدین باصرار اس کو کشمیر لے آئے اور یہیں پیوند خاک ہے

ل یوذاسف کو یوذآلپ ملا نے لکھا ہے فارسی میں پ کو ف سے بدلتے ہیں ۱۲

میرزا زادہ حسن شاہ مولف تاریخ حسن کا خیال ہے کہ یوذ آسف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ تاریخ حسن کشمیر کے حالات کی زبان فارسی میں بہت حجیم اور مستند تاریخ ہے۔ تاریخ کشمیر کبیر حصہ تحایف الابرار میں لکھا ہے کہ در کتاب سوانح عمری کہ بزبان عربی است مرقوم است کہ بود آسف راجہ زادہ بود متوطن قولاپت بود از وطن مالوف خود سیر کنان در کشمیر رسید بعد توقف در آنجا انتقال نمود در محلہ خان یار مدفون است۔

ایک اور روایت بھی مشہور ہے وہ یہ راجہ گوپانند حکمران کشمیر کے زمانہ میں اس مزار کی مغربی دیوار کے سوراخ میں سے ہمیشہ خوشبوئے مشک آتی تھی ایک وقت ایک عورت اپنے شیر خوار بچہ کو لیکر زیارت کو آئی بچہ نے اس سوراخ میں پیشاب کر دیا۔ اس وقت سے مشک کی خوشبو آنا موقوف ہو گئی اور وہ عورت دیوانی ہو گئی۔ آخر الذکر روایت سے تو مزار کی صرف بزرگی اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ کسی خدا رسیدہ کا یہ مزار ہے۔ اس کے اوپر جو روائتیں میں نے لکھی ہیں وہ آپسیں سب مختلف ہیں۔ یہ امر محقق نہیں ہوتا ہے کہ دراصل یہ کس کا مزار ہے اور یوذ اسف کی حقیقت کیا ہے میرے والد مرحوم نے جو کتاب لکھی ہے اس میں یوذ آسف کو ایک شہزادہ بتلایا ہے وہ بھی اس طرح کہ زمانہ سابق میں کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا وہ بہت دنیادار بت پرست و ظالم تھا ایک عرصہ تک لاولد رہا۔ ایک عابد کی دعا سے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کا نام یوذ الف رکھا اور چاہتا تھا کہ اس کو بھی اپنا سا دنیادار و جاہ پرست بنائے مگر اس لڑکے کی فطرت و ذہنیت خدا نے جداگانہ بنائی تھی دنیا کی بے ثباتی اور خدا پرستی اس کے رگ و ریشہ میں تھی اس شہزادہ کی عالی خیالی کی خبر دور دور مشہور ہوئی حتی کہ لنکا میں بھی اس کی شہرت ہوئی وہاں سے ایک بڑا عابد و زاہد فلسفی حکیم بلوہر نامی آیا یہ شہزادہ سے آکر ملا حکیم بلوہر کو شہزادہ نے اپنا ہم خیال پایا اور اس کی صحبت میں رہکر اس کی حکیمانہ گفتگو سے مستفید ہوتا رہا اور

تارک دنیا ہو کر مختلف شہروں کی سیاحت کرتا رہا اخیر عمر میں کشمیر پہنچا اور کشمیر جو اس وقت ایک غیر آباد جگہ تھی اس کو آباد کیا وہاں کے لوگوں کو پند و نصائح کرتا رہا بہت سے لوگوں کو اپنا مرید کیا جب اس کا وقت آخر آپہونچا تو اپنے ایک مرید خاص جس کو لوگ بابد کہتے تھے بلایا یہ شخص یوذ آلف کی خدمت میں برابر رہا کرتا اور علم و عمل میں صاحب کمال ہو گیا تھا بابد نے کچھ نصیحتیں کیں جن کا مفہوم و خلاصہ یہ تھا کہ عبادت خدا کو ہاتھ سے نہ چھوڑو حق اللہ اور حق العباد کا خیال رکھو باطل کے لئے حق کو نہ چھوڑو یہ سب کہنے کے بعد عالم بقا کی طرف یوذ آلف نے رحلت کی اور کشمیر ہی میں مدفون ہوا۔ اس کتاب میں عجیب و غریب نصیحت آمیز قصے ہیں جن سے چشم بصیرت وا ہوتی ہے جب دنیا کو دفع اس کے علایق کو رفع کرنے کے لئے اور دنیا کی برائیوں سے آگاہ ہونے کے لئے یہ کتاب عجب چیز ہے ڈیڑھ سو صفحوں کی کتاب ہے چھ دفعہ چھپ چکی ہے لیکن اس سے بھی یوذ آلف کی اصلی حقیقت نہیں کھلتی۔ مجھے اس کتاب کے پڑھنے سے اتنا ضرور معلوم ہوا تھا کہ کشمیر میں یوذ آلف مرا اور وہیں مدفون ہے مگر وادی کشمیر کے کس حصہ میں مدفون ہے یہ کتاب سے نہیں معلوم ہوا تھا اب سنا کہ سری نگر میں اُن کا مزار ہے اس لئے تلاش میں نکلی اور گوہر مراد ہاتھ تو آیا قبر کا پتہ لگ گیا مگر یہ نہ کھلا کہ یوذ آلف کی حقیقت کیا تھی بلکہ مختلف روایتوں سے اور پیچیدگی پڑ گئی۔

وہاں سے ایک بجے اپنے ہوس بوٹ میں واپس آئی دیکھا حیدرآباد لاہور دہلی وغیرہ سے بہت سے خطوط آئے ہوئے ہیں منجملہ جس کے ایک خط اڈیٹر صاحب عصمت کا ہے جسمیں یہ لکھا کہ میری مضمون نگاری کے صلہ میں مجھے تیس روپے انعام میں ملے اور یہ پوچھا ہے کہ نقد روپے بھیج دئے جائیں یا کوئی تحفہ یا تمغہ طلائی بھیجا جائے۔ مجھے اس امر کی بہت خوشی ہوئی کہ اردو اخباروں اور رسالوں کے اڈیٹر عموماً جیسی چاہیئے اپنے مضمون نگاروں کی

بسی قدر و حوصلہ افزائی نہیں کرتے ہیں مگر اڈیٹر عصمت نے اس کا خیال کیا ہے۔ مدراس سے میری قدیم دوست محل خان بہادر مسٹر بذل اللہ سی آئی ای ممبر بورڈ آف ریونیو کا بھی محبت بھرا خط آیا ہے جس میں انھوں نے اس دفعہ جاڑوں میں و کیا ہے لندن کا ایک خط مسٹر فریڈرک گولڈ سکریٹری انٹرنیشنل کانگریس آف ی اورینٹلسٹ کا بھی آیا ہے اس کی ایگزیکٹو کانسل کی میں بھی ایک ممبر ہوں اس لئے بانہ جلسوں کی کارروائی میرے پاس بھیج دی جاتی ہے۔ فرانس کی میڈم ہارٹن یری ایک دوست ہیں ان کا خط اور ایک کتاب آئی۔ کھانا کھایا تھوڑی دیر استراحت کی تیسرے پہر کو مسز وٹھل راؤ سے ملنے گئی، چنار باغ میں انکا ہوس بوٹ ہے۔ مسٹر اور مسز وٹھل راؤ حیدر آبادی ہیں اور ان کے اراکین خاندان زن و مرد سے ہم لوگوں سے عرصہ دراز کا دوستانہ ہے یہ لوگ دو موٹروں میں حیدر آباد سے کشمیر آئے ہیں ان کے ساتھ ان کے عزیز مسٹر و مسز راج کمار ہیں یہ لوگ حیدر آباد سے آتے وقت مختلف مقامات میں ٹھہرتے اور ان کی سیر کرتے ہوئے آئے ہیں۔

پردیس میں جب کوئی ہموطن کسی کو مل جاتا ہے تو فطرتاً بڑی خوشی ہوتی ہے۔ وہی حالت ہم لوگوں کی ہوئی ان لوگوں نے چائے پلائی۔ بعد مغرب ان کے ہاں سے واپس آئے شب کے کھانے کے بعد گو بہت خستہ ہو گئی تھی مگر ڈائری لکھنی ضرور تھی ورنہ بہت سے حالات کے بھول جانے کا اندیشہ تھا۔ بعض ضروری خطوں کے جواب لکھنے کے لئے شب کے دس بجے خوابگاہ کے کمرہ میں چلی گئی۔ ماندگی و خستگی کی وجہ سے اس قدر سویرے میں خوابگاہ میں گئی ورنہ روزانہ بارہ تک تو بیٹھی لکھتی رہتی ہوں۔

۳۰ جولائی۔ آج کی ڈاک سے لاہور رسالہ تہذیب نسواں آیا ہے اس میں میرے دو مضامین درج ہیں۔ حیدر آباد سے بھی بہت سے خطوط آئے اور دعوتوں کے کارڈ بھی آئے جو میرے گھر پر آئے تھے اور وہاں سے

میرے پاس یہاں بھیج دئے گئے اور ہمیشہ بھیج دیئے جاتے ہیں ان دعوتی کارڈوں میں لیڈی بارٹن کا بھی ایک کارڈ ایٹ ہوم کی دعوت کا ہے۔ پونہ سے آجکل پروفیسر کاروے بانی اومن یونیورسٹی حیدر آباد آئے ہوئے ہیں ان کے لئے ہندو خواتین نے جلسہ کیا ہے میرے پاس بھی ایک کارڈ بھیج دیا ہے۔ چار بجے فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل کے ہاں چائے کی دعوت میں گئی۔ ان کی قیام گاہ ہمارے ہوس بوٹ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے انھوں نے یہ دعوت میری خاص طور سے اس لئے کی تھی کہ چند خواتین جو لاہور وغیرہ کی کشمیر آئی ہوئی ہیں اور جنسے فاطمہ بیگم صاحبہ سے دوستانہ ہے ان سے میرا تعارف کرویا جائے میں وہاں سے بیگم عبد القیوم کے ہاں گئی انکو لڑکی پیدا ہوئی ہے مبارکباد دینے گئی تھی۔ وہاں سے گھر آئی شب کے کھانے سے فارغ ہونیکے بعد چاندنی کے سیر کو شکارہ پر ہم لوگ نکلے۔ یہاں کی چاندنی بہت صاف ہوتی ہے بے اختیار باہر نکلنے کو جی چاہتا ہے۔ مسٹر اور مسز حامد علی بھی اپنے شکارہ پر سیر کو نکلے تھے۔ ہمارا اور انکا شکارہ ساتھ چلنے لگا آپس میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ شب ماہ میں جہلم کی سیر بہت پرلطف ہوتی ہے باتوں میں بہت دور تک شکارے نکل گئے۔ گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا دس بج گئے پھر پلٹے۔ ایک نے دوسرے کو خدا حافظ کہا وہ لوگ اپنے ہوس بوٹ کی طرف چلے گئے ہم سب اپنے ہوس بوٹ میں چلے آئے۔

ریشم کی گرنی

ایک روز ہم ریشم کی گرنی دیکھنے گئے پہلے سے ہمارے جانے کی اطلاع دے دی گئی تھی وقت نو بجے کا مقرر کر دیا تھا نو بجے ہم گرنی میں پہونچے ہمارا کارڈ پاکر جلال الدین صاحب مددگار آئے ہم کو ڈائرکٹر صاحب کے آفس میں بٹھایا ڈائرکٹر صاحب بھی تھے انھوں نے جلال الدین صاحب

ے کہا کہ ہم کو وہ سب کچھ بتائیں۔ اس آفس میں ریشم کے کپڑے آئینہ کے
صندوقوں میں رکھے ہوئے تھے اور ریشم کے کیڑوں کے انڈے بھی رکھے ہوئے
تھے جلال الدین صاحب لکچر کے طور پر کیڑوں کے حالات بیان کرتے گئے اکتوبر کے
مہینہ میں ریشم کے کیڑوں کے انڈے ولایت سے منگائے جاتے ہیں کشمیر میں بھی انڈے
گذشتہ سال کے رکھے رہتے ہیں ان انڈوں کو سخت گرمی میں رکھتے ہیں ان کو گرم
رکھنے کے لئے مشن ہے جس کے ذریعہ گرمی پہونچائی جاتی ہے۔ جنوری کے
مہینہ میں انتہا سے زیادہ سردی میں رکھا جاتا ہے اپریل کے مہینہ میں کھیت
والوں کو بلا کر (جو کہ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کرتے ہیں) یہ انڈے تقسیم کرتے
ہیں کھیت والے پہلے سے کمرہ صاف کرکے گندھک کی دھونی دیکر سفید سفید
کاغذ کمرے میں بچھاکر یہ انڈے اس پر رکھتے ہیں کمروں کے دروازے اور
کھڑکیاں کھول دیتے ہیں کمرہ کے چاروں طرف دروازہ کے قریب اور
کھڑکیوں کے پاس شہتوت کے درخت بکثرت لگا دیتے ہیں۔ کمرہ میں رکھنے
کے تین دن کے بعد انڈوں سے چٹ چٹ آواز آتی ہے اس کے اندر سے
باریک باریک کیڑے نکل آتے ہیں ان سفید کاغذ کے چاروں طرف شہتوت
کے پتے باریک کتر کر رکھ دیتے ہیں ان کی غذا یہی ہے۔ جب آٹھ
دن کے یہ کیڑے ہو جاتے ہیں تو ان کے اوپر باریک باریک کھال جم جاتی
ہے۔ اب یہ بے چین ہو جاتے ہیں پتے کھانا چھوڑ دیتے ہیں جب یہ کھال نکل
جاتی ہے تو وہ پندرہ دن تک اچھے رہتے ہیں اس کے بعد پھر دوسری کھال
جم جاتی ہے چند روز کے بعد یہ کھال بھی نکل جاتی ہے کیڑوں کو بخار آ جاتا
ہے کیڑے بیہوش رہتے ہیں جب ان کے بدن پر دوسری جھلی پیدا ہو جاتی
ہے تو ہوش آتا ہے اور پتے کھانا شروع کرتے ہیں چار مہینہ کا کیڑا جب ہو جاتا
ہے تو پورا جوان ہو جاتا ہے پتے کھا کر خوب موٹا ہو جاتا ہے اب ان کے لئے
گھروں میں کانٹے اور گھانس رکھتے ہیں اور شہتوت کے پتے بھی رکھتے ہیں

پھر ایک کیڑا خوب کھا کر مست ہو جاتا ہے اُس کے منھ سے لعاب گوند کی طرح نکلتا
ہے اسی سے وہ اپنا گھر بناتا جاتا ہے اُن کانٹوں اور گھانس پر چڑھ کر اپنا
گھر بناتا ہے گویا اب ریشم بنانا شروع کیا خود کیڑا اندر ہو جاتا ہے اپنے
اوپر سفید انڈے کی طرح خول بنا لیتا ہے یہی خول ریشم کا ہوتا ہے اب
کیڑا اندر سے باہر نہیں نکل سکتا چند روز کیڑے کے منھ سے ایسا زہر نکلتا ہے
کہ وہ اپنا مضبوط گھر توڑ کر باہر نکل آتا ہے اب تیتری کی شکل اس کی شکل
بن جاتی ہے اور اُڑ کر توت کے درختوں پر بیٹھ کر انڈے دیکر چند روز بعد مر جاتا
ہے اس کا جو گھر خالی رہتا ہے اس سے ریشم نکلتا ہے چونکہ اس میں سوراخ
پڑ جاتا ہے اس لئے وہ گھر بیکار ہو جاتا ہے دوا وغیرہ کے لئے خالی گھر
فروخت کرتے ہیں[1]۔ جب کیڑا اپنا پورا گھر بنا کر اندر ہو جاتا ہے تو اُس وقت مشن
میں رکھ کر گرم گرم بجلی کے پنکھے تین گھنٹہ تک چلاتے ہیں ریشم کے کیڑے کے
گھر کی شکل ایسی ہوتی ہے اس کو انگریزی میں کیٹر پلر کہتے ہیں۔



(کٹا ہوا گھر)

کیڑے گھروں کے اندر آ جاتے ہیں اس مشین سے کیڑوں کے گھر
نکال کر دوسری مشن میں ڈال کر اوبالتے ہیں جب یہ اوبل جاتے ہیں تو تیسری
مشین میں رکھ کر ریشم نکال لیتے ہیں ایک ریشم کے کیڑے کے گھر سے ایک
میل برابر ریشم نکلتا ہے یہ ریشم نہایت باریک اور سفید ہوتا ہے اس
ریشم کا کپڑا کشمیر میں نہیں بنا جاتا ہے یہ سنکر مجھے بہت افسوس ہوا یہاں سے
ریشم تیار ہو کر یورپ میں جاتا ہے میں نے ڈائرکٹر صاحب سے کہا کہ کیا وجہ
اس سے ریشم کا کپڑا کشمیر میں نہیں بنا جاتا انھوں نے جواب دیا کہ ایک
کارخانہ کسی ہندو نے قایم کیا تھا لیکن چل نہ سکا سرکاری طور پر کوئی کا

[1] اطبا اسی کو آبریشم خام کہتے ہیں ۱۲

ابتک قائم نہیں ہوا۔ یہاں کے ڈائرکٹر بورہین ہیں جب ان کو معلوم ہوا کہ میں سفرنامہ لکھا کرتی ہوں تو بہت خوش ہوا اور کہا کہ میرے لئے بھی ایک جلد ضرور بھجوائیے جلال الدین صاحب نے جب اپنا لیکچر ختم کیا تو ہم کو لیکر گرنی دکھانے چلے بہت بڑی گرنی ہے اُس وقت چل رہی تھی جہاں کیڑوں کو مار ڈالتے ہیں وہ دکھایا جس مشین میں ابالتے ہیں وہ دیکھا جہاں ریشم نکلتا ہے اور تیار ہوجاتا ہے وہ گرنی دیکھی روزانہ چھ سو آدمی کام کرتے ہیں عورتیں ایک طرف بیٹھی کیڑوں کے گھر چن رہی تھیں تین قسم کے انڈے ہوتے ہیں ان کی قیمت بھی اس لحاظ سے ہوتی ہے جب یہ انڈے یعنی کیڑوں کے گھر ضرورت سے زیادہ پیدا ہوجاتے ہیں تو کشمیر سے یورپ بھجوا دیئے جاتے ہیں اس گرنی میں عورتوں کا کام یہی ہے کہ کیڑوں کے گھر چن کر الگ کریں ایک ریشم کی لٹ جو نہایت خوبصورت صندلی رنگ کی تھی مجھے دی گئی یہ بہت موٹی لٹ تھی لیکن ریشم نہایت باریک اور نفیس ہے۔ وہاں سے واپس آکر میں نے اخروٹ کی لوز بنائی گرین گج کا مربہ اور سیب کا مربہ بنایا آلو بخارے کا اچار بنایا اپنے دوستوں کے یہاں حصے بھیجے۔ اخروٹ کا موسم ہے کچے پکے اخروٹ بہت ہوتے ہیں۔

پہلگام

ایک روز پہلگام دیکھنے گئے۔ وہاں کے حالات یہ ہیں سری نگر سے چھ سو فیٹ پہلگام بلند ہے اور سری نگر سے زیادہ سرد ہے سری نگر میں گرمی اچھی خاصی ہے اس لئے لوگ جون جولائی میں پہلگام میں بھی رہتے ہیں سری نگر سے باسٹھ میل کے فاصلہ پر ہے بذریعہ موٹر کے تین گھنٹے میں

لے گرین گج ایک قسم کا یورپین میوہ ہے۔ جو نہایت آب وہوا کے لحاظ سے کشمیر میں بھی پیدا ہوتا ہے۔

پہونچتے ہیں راستہ میں بعض قابل ذکر مقامات بھی ملتے گئے مثلاً پام پور جہاں زعفران پیدا ہوتی ہے میلوں زعفران کے کھیت ہی کھیت ہیں اور تھوڑی سی آبادی بھی ہے جہانگیر نے تزک جہانگیری میں بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ پام پور میں کئی من زعفران پیدا ہوتی ہے جو تمام ہند میں جاتی ہے دراصل دو جگہ زعفران پیدا ہوتی ہے ایک پام پور دوسرے ایران میں خراسان کے مقام میں عموماً تمام دنیا میں انہی دو جگہ سے زعفران جاتی ہے۔ ان دنوں کھیت درست ہو رہے ہیں۔ اکتوبر میں جو شگوفے نکل آتے ہیں اُس کا درخت ایک بالشت اونچا ہوتا ہے۔ اس کے پتے پیاز کی درخت کی طرح ہوتے ہیں۔ پھولوں سے لد جاتا ہے پھولوں کا رنگ کاسنی ہوتا ہے۔ پھولوں میں زرد رنگ کے زیرے ہوتے ہیں اور تین تین سرخ رنگ کی لمبی لمبی کاڑیاں ہوتی ہیں وہی زعفران ہے نومبر میں زعفران کے کھیت کاٹے جاتے ہیں۔ اور پھول چنے جاتے ہیں۔ بج بہار ایک مقام ہے یہاں ایک نایاب درخت چنار کا ہے جس کو دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے آتے ہیں اس درخت کا تنہ باون فٹ مدور ہے چنار کے درخت کے حالات کچھ کچھ لکھ چکی ہوں استاد ذوق کا ایک شعر یاد آگیا ؎

بجھنے کی آگ ہی نہیں زیر لحد مرے
ہوگا درخت گور پہ مرے چنار کا

جب یہ درخت بہت پرانا ہوجاتا ہے تو خود بخود اس کی جڑ جل جاتی ہے آگ لگ جاتی ہے اور کھوکھلا ہوجاتا ہے بج بہارا کے بعد اونتی پور آیا اس کے حالات آگے چل کر لکھونگی پھر اسلام آباد آیا سری نگر کے بعد اسی کا نمبر ہے یہاں پر جہلم ندی کا پاٹ بہت چوڑا ہے کشتی بانی یہیں سے شروع ہوتی ہے اور بارہ مولا تک پچانوے میل ہوس بوٹ وغیرہ چلتا ہے۔ بارہ مولا کے بعد جہلم دریا ایک نالہ کی حیثیت سے زور وشور سے بہتا ہے کیونکہ دونوں

جانب پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ اسلام آباد سے چند میل آگے ایک مقام مٹن آتا ہے۔ یہاں ایک قدرتی ارضی چشمہ ہے اور ایک بڑا مندر ہے ہر سال ساون میں یہاں میلہ ہوتا ہے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ چند روز رہتے ہیں۔ جاتریوں کے برہمن وکیل ہوتے ہیں۔ جاتے وقت ان کو حسب حیثیت زرِ نقد دے کر جاتے ہیں۔ ان برہمنوں کے پاس کتابیں رہتی ہیں جن میں اُنکے ججمانوں کے نام و سکونت انہیں کے قلم سے لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر کوئی ناخواندہ ہے تو دوسروں سے اس کے نام و حالات لکھوا لیتے ہیں۔ تاکہ دوبارہ جب آئیں تو انہیں کے ہاں ٹھہریں۔ یہ برہمن بہت دق کرتے ہیں جب ہم اس مقام پر پہونچے ہیں تو برہمنوں نے ہماری موٹر گھیر لی آجکل جاترہ ہو رہی تھی ہمارے ساتھ یہ کہتے گئے کہ سال گذشتہ آپ ہمارے ہاں آئے تھے ہمنے پوجا کروائی تھی اور پنڈا پڑوایا تھا حالانکہ بالکل جھوٹ اُن کے ہاتھ میں کتاب رہتی ہے کہتے ہیں اس میں آپ نام لکھ دیجئے ہر ساون میں پانچ ہفتے میلہ رہتا ہے دوکانیں وغیرہ بہت لگتی ہیں۔ ڈو ڈھائی فرلانگ پر ایک مشہور غار ہے جس کو گُپتا کہتے ہیں۔ اس میں سُرنگ ہے نہ معلوم کہاں جاکر نکلی ہے اس کے بعد ایک مقام آیا جس کو عیش مقام کہتے ہیں ایک پہاڑی پر کچھ رقبہ مسطح ہے جو پر فضا مقام ہے جس پر اب مختصر سی آبادی ہے۔ قدیم زمانے کی ایک مسجد ہے اور ایک خانقاہ ہے اس میں ایک شاہ صاحب سجادہ رہتے ہیں۔ سابق کے ہندوں کے زمانہ میں اس کا نام گنیش پور تھا۔ چند میل کے بعد پہل گام آیا ایک چھوٹا سا شہر خیموں کا معلوم ہوتا ہے۔ سیکڑوں خیمے چھوٹے بڑے نصب ہیں جنہیں سیاح ہندو مسلمان رہتے ہیں۔ یہاں لوگ ڈیرے اور خیموں میں رہتے ہیں۔ دونوں جانب پہاڑوں کا سلسلہ ہے جس پر بہت گھنے جنگل ہیں بیچ میں تھوڑی زمین مسطح ہے جس پر خیمے نصب ہیں ایک طرف ایک نالہ بہتا ہے

اُوپر کے بلند پہاڑوں پر جو برف جمتی ہے اور گرمیوں میں گھلتی ہے وہ پانی بن کر نالہ کی شکل میں اس طرف بہتی ہے پانی بہت صاف و شیریں اور ہلکا اور سرد ہے چھ سات گز چوڑا نالہ ہے جو یہاں رہتے ہیں وہ اسی نالہ کا پانی پیتے ہیں یہاں کل اشیاء مایحتاج زندگی کی دکانیں عارضی طور سے لگائی گئی ہیں۔ میوؤں کی دکانیں ہیں۔ ٹٹوں کی دکانیں بنائی ہیں۔ اور بعض کپڑے کی چھت لگاکر بناتے ہیں۔ ایک ٹھیکہ دار ہے جو ہر قسم کے خیمہ اور روٹیاں کرایہ پر دیتا ہے۔ ایک طرف پہاڑوں پر اور پہاڑوں کے دامن میں یوروپین سیاح کے خیمے ہیں پہل گام سے ایک راستہ امرناتھ کو گیا ہے یہ جگہ ہندوں کے پرستش کی ہے جہاں سیکڑوں ہندو جاترے کو جاتے ہیں۔ اور وہاں کی سردی برداشت نہ کرکے مرجاتے ہیں لیکن جانا نہیں چھوڑتے ہیں۔ اس مقام پر ہمیشہ برف رہتی ہے ہم جب سری نگر میں تھے تو یہ سنا تھا کہ امرناتھ جو ہندو گئے تھے ان میں سے سیکڑوں مرگئے۔ پہل گام بہت اچھا مقام ہے جو کشمیر میں آئے وہاں جانا ضروری ہے۔

گاندر بل

یکم اگسٹ صبح کے سات بجے ہمارا ہوس بوٹ گاندربل روانہ ہوا گھر کا گھر چلنے لگا ہم اپنے ڈرائینگ روم میں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے ہمارے ہوس بوٹ کے پیچھے باورچی خانہ کی کشتی جس کو ڈونگا کہتے ہیں چلی آرہی تھی آٹھ ملاح طرح طرح کی آواز نکال نکال کر ہوس بوٹ لمبے لمبے بانس ہاتھ میں لیکر چلا رہے تھے بانس پانی کی تہ تک پہنچتے جاتے ہیں اور ڈھکیلتے جاتے ہیں بیچاروں کو بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن عادی ہو گئے ہیں اپنی تکلیف گران نہ معلوم ہونے کے خیال سے یاد کہدا (یعنی یا خدا یا رسول جہانگیر پاچھا (بادشاہ) پچ تن (پنجتن) ہمدان نور الدین۔ پیر دستگیر۔ یا علی۔ یا مولا

غرض طرح طرح کے نام لیکر چلاتے جاتے ہیں۔ یہ سیر بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ عراق عرب کو جاتے وقت جہاز میں بیٹھ چکی ہوں یورپ کے جہاز میں بیٹھ چکی آج یہ ہوس بوٹ میں بیٹھکر جہلم ندی کی سیر کر رہی ہوں ہمارا ہوس بوٹ بیچ میں سے چل رہا تھا۔ دونوں طرف مکانات و آبادی ہے لکڑی کے مکانات بہت ہیں چار منزلے پانچ منزلے مکانات ملتے گئے لکڑی کے مکانات کئی میل تک ملتے گئے۔ کئی میل تک جہلم کے دونوں جانب شہر سری نگر کی آبادی ہے عبور و مرور کے لئے سات پل ہیں جن کے نام یہ ہیں پہلا امیر اکدل۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سردار امیر خاں ناظم کشمیر بعہد احمد شاہ ابدالی ۱۷۷۱ء میں تعمیر ہوا تھا۔ پھر اس کی مرمت مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے عہد میں ہوئی۔ دوسرا پل حبہ کدل۔ اس کو سلطان حبیب خاں نے ۱۵۵۰ء میں تعمیر کرایا تھا تیسرا فتح کدل سلطان فتح شاہ نے ۱۴۹ء میں تعمیر کروایا چوتھے کا نام زینہ کدل ۱۴۳۳ء میں سلطان زین العابدین نے بنوایا پانچواں عالی کدل سلطان علی شاہ کی یادگار ہے چھٹا نوا کدل کے بانی کا نام یاد نہیں رہا ساتواں اور آخر کا پل صفا کدل غالباً یہ سیفا کدل ہے کیونکہ اس کے بانی کا نام سیف اللہ تھا جو مدار المہام سلطان فتح علی شاہ تھا۔ ساتویں پل کے نیچے سے جب ہمارا ہوس بوٹ گزرا راستہ میں شفاخانہ۔ اسکول اور زنانہ اسکول وغیرہ ملتے گئے سائن بورڈ لگے ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا۔ اسکول ہے یہ سرائے مسافرخانہ وغیرہ بھی ملتے گئے جہلم کے کنارے پانی کے اندر حمام بنے ہوئے ہیں۔ اس میں تین خانے ہوتے ہیں ایک ادھر ایک اُدھر بیچ میں کھلی ہوئی جگہ اس جگہ بیٹھ کر نہاتے ہیں اس میں مسلمان نہایا کرتے ہیں ہندو تو کھلی ہوئی جگہ میں نہاتے ہیں۔ ان کو تو حمام کی ضرورت ہی نہیں۔ عورت مرد سب جہلم ندی میں نہایا کرتے ہیں یا مندر کے سامنے جو گھاٹ ہوتا ہے اُس پر نہاتے ہیں۔ سات پل پار ہونے کے بعد وہاں ترکاری وغیرہ کے کھیت

ملتے گئے۔ تھوڑی دور کے بعد ایک مقام آیا جس کا نام چھت پل ہے یہاں پر جہلم کا پانی جو چشمہ ویری ناگ سے بہتا ہوا آتا ہے اس کے روکنے کے لئے تھوڑا حصہ کشتیوں کی آمد و رفت کے لئے چھوڑ کر ایک آہنی دیوار سطح آب سے تین گز بلند قائم کر دی ہے اس پر سے پانی نیچے گرتا ہے نہایت پُر فضا منظر معلوم ہوتا ہے پانی کی طویل چادر جو چھوٹتی رہتی ہے آبشار کا لطف دیتی ہے یہ ترکیب اس لئے کی گئی ہے کہ صرف فاضل پانی اوپر سے یعنی شمال کی جانب سے بہ کر بارہ مولا وغیرہ ہوتا ہوا پنجاب چلا جاتا ہے زیادہ نہ جائے۔ جس کی وجہ سے باشندگان سری نگر کو پانی کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے جو تھا حصہ جس میں آہنی دیوار کانجابل نہیں ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس مقام پر قدرتاً چھوٹا سا جزیرہ نکل آیا ہے ایک طرف اس کے زینے کا کنارہ ہے پختہ دیوار پتھر کی اٹھا دی گئی ہے دوسری جانب جہلم کا ارضی کنارہ ہے اس کے اندر جہلم کا پانی دونوں جانب پھاٹکوں سے مقید کیا گیا ہے اور یہ پھاٹک بند رہتے ہیں جب کشتیاں ڈونگے ہوس بوٹ وغیرہ دس پندرہ اُس پھاٹک کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں تو پہلا پھاٹک کھول کر ان کو اندر لے کر پھاٹک لگا دیا جاتا ہے اس کے چند منٹ بعد دوسرا پھاٹک کھول کر ان کشتیوں کو باہر کر دیتے ہیں جب ہوس بوٹ وغیرہ پھاٹک کے باہر ہو جاتے ہیں۔ تو پھاٹک لگا دیا جاتا ہے ان پھاٹکوں سے غرض یہ ہے کہ پانی ایک دم زور سے نیچے کو نہ بہہ جائے اس جزیرہ کے بازو سے ایک دیوار رہتی ہے جو زیادہ پانی نہیں رہنے دیتی اب ہمارا ہوس بوٹ بلا روک ٹوک چلنے لگا چونکہ پانی کا بہاؤ اسی طرف تھا۔ جدھر جا رہے ہیں اس لئے ملاحوں کو تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ دونوں جانب لہلہاتا ہوا دھان کا کھیت کہیں پانی کہیں سبزہ زار کنارے کنارے سبز سبز پہاڑ کچھ عجیب لطف آرہا تھا ایک بجے ہم ایک گاؤں کے کنارے پہونچے جس کا نام

پنجور ہے یہاں ہم خشکی پر اُترے تربوز کا کھیت بہت بڑا تھا تمام جنگل تربوز کے کھیت سے پٹا پڑا تھا بڑے بڑے تربوز لگے ہوئے تھے ۔ ہمنے کھیت والوںکو پیسے دیکر تربوز خرید کئے فی تربوز ہر کو ملا ہمنے چند تربوز خریدے ۔ یہاں ماہ جولائی میں تربوز خربوزے نکلتے ہیں ملاحوں نے کھانا کھایا ایک گھنٹہ بیچاروں نے آرام لیا اس مقام پر ایک بزرگ کی درگاہ ہے جن کا نام سید شاہ یعقوب صاحب تھا سالانہ عرس ہوتا ہے ۔ کشمیر میں جگہ جگہ درگاہ ہے ۔ جس کو زیارت کتے ہیں اور عرس ہوا کرتا ہے کشمیر پر کیا موقوف ہے ہندوستان میں ہر جگہ یہی حالت ہے مسلمان قبر پرست بن گئے ہیں میں نہیں کہتی کہ فاتحہ نہ پڑھو ضرور فاتحہ پڑھنا چاہیئے ۔ لیکن عرس وغیرہ میں اس قدر روپیہ خرچ کرنا اور خود قرضدار ہو کر نیاز نذر کرنا بیجا اسراف ہے کہا جاتا ہے کہ ہزاروں سال قبل کوئی راجہ یہاں رہتا تھا ۔ پنجور اُسی نے آباد کیا اس کے پانچ فرزند تھے جنھوں نے مہابھارت کی جنگ میں پانڈوں کی مدد کی تھی ۔ یہاں سے ہمارا ہوس بوٹ شادی پور کی سرحد میں پہنچا یہاں ایک موڑ ہے جہاں پر جہلم دریا میں دہانہ سندہ کا پانی آکر گرتا ہے یہاں سے جہلم کو ہمنے خیرباد کہا دریائے سندہ میں ہمارا ہوس بوٹ مڑا یہاں سے دریائے سندہ کا پانی نہایت سفید شفاف ہے اور نہایت سرد کیونکہ اس میں پانی پہاڑوں سے بھی آتا ہے برف گھل کر آتی ہے یہاں کا منظر دوسری طرح کا ہے ۔ موڑ پر تھوڑی سی زمین بیچ میں نکل آئی ہے جو خوبصورت چبوترے کیطرح ہے اس پر کہیں گھانس کہیں خداداد پھول کے درخت ہیں بہت سُہانا منظر دور تک ہے ۔ سویز کنال کے منظر سے کم نہیں ہے جبتک ہمارا ہوس بوٹ دریائے جہلم میں چل رہا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم دریائے دجلہ میں بذریعہ جہاز بصرہ سے بغداد جا رہے ہیں دریائے سندھ میں جب ہمارا ہوس بوٹ داخل ہوا تو پانی کا بہت زور ہو گیا کیونکہ پانی اودھر سے نیچے آرہا تھا ہم دہارہ کے خلاف جارہے تھے یا اب ہوس بوٹ

بجز ہاؤ پر چڑھ رہا ہے بیچارے ملاحوں کو سخت تکلیف ہو رہی تھی پانی سامنے آرہا تھا اور ہوس بوٹ اُوپر چڑھ رہا تھا یہ لوگ ہوس بوٹ سے کنارے پر اُتر گئے اور موٹا سا رسّا لیکر ہوس بوٹ کو باندھ دیا اور چار پانچ آدمیوں نے مل کر کھینچنا شروع کیا ملاح پیدل کنارے کنارے چلتے گئے اور رسّا کھینچتے گئے اور چار ملاح بڑے بڑے بانس جس کو ہمتو یا بلم کہتے ہیں اس کو پانی میں ڈال کر زمین کی تہ تک پہنچا کر ڈھکیلتے جاتے تھے جو کہ محنت بہت ہوتی ہے سینہ کا زور لگانا پڑتا ہے اب اُن کا شور وغل اور بڑھ گیا ایک نے کہا یا کھدا (یعنی خدا) سب مل کر چلائے یا کھدا ایک نے کہا یا رسول سب مل کر چلائے یا رسول غرض اسی طرح آواز نکال رہے تھے مجھے ہنسی آتی تھی اور اُن بیچاروں پر رحم بھی آتا تھا پانی کا زور تو ہے لیکن عمیق نہیں ہے قد آدم بھی پانی نہیں ہے تہ نہایت شفاف نظر آرہی تھی ۔ پانی کا رنگ بھی سفید معلوم ہوتا تھا اس پانی کے نیچے مورم ہے پانی ہاتھ میں لو تو برف کی طرح سرد حالانکہ موسم اچھا خاصہ گرم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی برف کے پہاڑوں سے بہہ کر ندی میں آتا ہے چار بجے ہم شادی پور میں پہونچے یہاں خربوزوں کا کھیت ہے یہاں دریا کے اندر گھاس نکلتی ہے جس طرح ہمارے حیدرآباد میں پرال کی گھانس ہوتی ہے جو زمین پر ہوتی ہے جو زمین پر ہوتی ہے یہ پانی میں نکلتی ہے اس کی چٹائی اور چھپر اور ہزاروں چیزیں بنائی جاتی ہیں ۔ نہایت نرم چٹائی ہوتی ہے ۔ شام کو چاشت مچھلی فروخت کرنے والے آئے مچھلی خریدی تھی بہت عمدہ ملتا ہے وہاں کے کھیت سے تو تمام جنگل پٹا پڑا ہے جہاں تک نظر کام کرتی تھی وہاں سب کے کھیت ہی کھیت تھے ملاحوں نے کہا آج شب کو یہیں مقام کیجئے کیونکہ پانی چڑھاؤ پر ہے اس لئے ہم تھک گئے ہیں یہاں دو ہوس بوٹ انگریزوں کے کھڑے ہوئے تھے مغرب سے ہوا شروع ہوئی اور بارش بہت زور سے ہو رہی تھی

اور ہوا بھی اپنا زور دکھا رہی تھی لق و دق جنگل چٹیل میدان بارش اور ہوا بجلی کا چمکنا بادل کی گرج ہوس بوٹ ہوا سے ہل رہا تھا حالانکہ موٹے موٹے رستوں سے باندھا گیا تھا ملاح بھی پریشان تھے بیرسٹر صاحب ہمیشہ بجلی و شدت کی بارش سے گھبراتے ہیں اور مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے میں نے بیرسٹر صاحب سے کہا آپ بہت گھبرا رہے ہیں اگر آپ کہیئے تو میں بارش کو ابھی موقوف کرواتی ہوں بیرسٹر صاحب نے کہا بھلا یہ بارش اب موقوف ہوسکتی ہے صبح تک بھی اس کا موقوف ہونا مشکل ہے میں نے کہا پندرہ منٹ میں موقوف کرواونگی یہ کہکر میں آسمان کے نیچے گئی اور کچھ پڑھا اور حیدر علی مرزا کو اور بیرسٹر صاحب کو کہا تم لوگ کھڑے دیکھتے رہو پندرہ منٹ میں بارش موقوف ہوجائے گی خدا کی مہربانی کہ پندرہ منٹ میں بارش و ہوا موقوف ہوگئی چاند نے اپنا منور چہرہ بادل سے باہر نکالا سندھ ویلی میں چمکنے لگا ابر کھل گیا چاندنی کی بہار عجب لطف دے رہی تھی کیونکہ آج چودھویں رات کا چاند تھا صفر کی ۱۳ر تاریخ تھی۔ بیرسٹر صاحب سے اور حیدر سے میں نے کہا دیکھو ہمارا حکم لگا یا ہوا پورا ہوا یا نہیں بیرسٹر صاحب نے کہا یہ اتفاق ہے ایسا ہوا کرتا ہے میں نے کہا اچھا اگر میں اس وقت بارش آنے کے دعا کروں اور بارش و ہوا شروع ہوجائے تو گھبرانا نہیں بیرسٹر صاحب نے کہا بہت بہتر اگر اب بارش ہوئی تو ہم سمجھیں گے تمہارا حکم درست ہے میں پھر آسمان کے نیچے گئی اور خدا سے دعا کی اور کچھ پڑھا ان لوگوں سے کہا ہاتھ میں گھڑی رکھو آدھ گھنٹہ کے بعد بارش و ہوا شروع ہوجائے گی چاندنی غائب ہوجائے گی خدا کی مہربانی کہ پھر ابر آیا آدھے گھنٹہ کے بعد ہوا چلنے لگی اور ابر خوب چھا گیا بارش شروع ہوگئی بیرسٹر صاحب اور حیدر ہنسنے لگے کہا دراصل اب تمہارا حکم پورا ہوا اسی طرح حیدرآباد میں بھی اکثر میں نے بارش کو موقوف بھی کردیا ہے اور برسایا بھی ہے دراصل

یہ اتفاق ہے ورنہ میں کیا اور میری دعا کیا آج بارش کی وجہ سے سردی خوب ہوئی پھر بھی بہت ستاتے رہے کھانا کھا کر سب سوگئے میں بیٹھی لکھتی رہی بارہ بجے تک میں نے ڈائری لکھی اور یہاں کے حالات قلمبند کیئے ملاحوں سے کہدیا تھا کہ صبح کے پانچ بجے ہوس بوٹ یہاں سے روانہ ہوجائے۔

۴ر اگسٹ صبح کو ہم سو رہے تھے کہ ہوس بوٹ چلنے لگا میری ہمیشہ کی عادت ہے کہ پانچ بجے بیدار ہوجاتی ہوں چاہے دو بجے رات تک جاگوں ملاحوں کی گڑبڑ سے اٹھ بیٹھی پلنگ کے کمرے کے بعد کھانے کا کمرہ ہے اس کے بعد ڈرائینگ روم نشست کا کمرہ اس کے سامنے برآمدہ ہے برآمدہ میں گئی دیکھا تو چاروں طرف کا منظر قابل دید تھا میں نماز پڑھ کر تہذیب نسواں کے لئے ایک مضمون لکھنے بیٹھی سورج دریا کے کنارے سے نکل رہا تھا ایسا معلوم ہورہا تھا کہ کوئی کھڑا آتشبازی کا انار چھوڑ رہا ہے دریا میں اس کی سرخ سرخ کرنیں چمکتی ہوئی عجیب بہار دکھا رہی تھیں دونوں جانب سبزہ زار اسکی پشت پر کوہسار پہاڑوں کا سلسلہ تو کشمیر میں جدھر جاؤ موجود ہے یہاں کے پہاڑوں کے ایک حصہ پر کھیت و درخت ہوتے ہیں دوسرا حصہ خالی ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ دوسرے حصہ پر سردی کے موسم میں برف جمتی ہے ایک میل کے بعد جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھو پانی ہی پانی نظر آرہا تھا یہاں دریا کا پاٹ بہت چوڑا ہوگیا ہے پہاڑوں کا سلسلہ بہت دور نظر آرہا تھا ایک جھیل مل گئی ہے جس کا نام شالابگ ہے مطلق عمیق نہیں ہے کہیں ایک ہاتھ کہیں دو ہاتھ گہرا پانی ہے اس لئے ہوس بوٹ چلنے میں بہت دقت ہورہی تھی بیچارے ملاحوں کو سخت مشکل کا سامنا تھا یہ لوگ چیختے چلاتے ہوس بوٹ چلا رہے تھے بیچارے تھک کر چور چور ہوجاتے تھے ان لوگوں کی محنت دیکھکر مجھے بہت صدمہ ہورہا تھا سبزہ ذرا دیکھکر جسقدر دل خوش ہوتا ہے ملاحوں کو دیکھکر فوراً اندر سے دل مسل جاتا ہے فی کس ۸ر اور کھانا دینا

ہوتا ہے اس پر اس قدر محنت مصیبت کے مارے کرتے ہیں۔ جھیل کے
مل جانے سے دریا کا پاٹ جو چوڑا ہو گیا ہے کوئی دو میل رہا اس کے بعد
دریا سمٹ کر نالے کی شکل میں آگیا دونوں جانب وہاں کے کھیت میوؤں
کے درخت مجنون کے درخت کا تو جنگل ملتا گیا یہ درخت بہت خوبصورت
ہوتا ہے باریک باریک شاخیں اور پتے ہوتے ہیں شاید اسی لئے اس کا نام
مجنون ہے اس درخت کی لکڑی سے ہر شخص سواک کرتا ہے کشمیر میں کوئی
منجن نہیں ملتا غریب امیر سب سواک اسی لکڑی کی کرتے ہیں۔ ہمارا ہوس
بوٹ چل رہا تھا میں بیٹھی لکھ رہی تھی۔ مجھ سے نوکروں نے آکر کہا ناشتہ
تیار ہے میرا مضمون بھی قریب الختم تھا میں نے اسی راستہ کے حالات اور
ریشم کی گرنی کے حالات مفصل لکھے۔ ناشتہ کر لیا ہمارے ساتھ مرغیاں
اناج وغیرہ سب چیزیں موجود تھیں کھانا پکانے کی کشتی جس کو ڈونگا کہتے ہیں
وہ ہمارے ہوس بوٹ کے پیچھے چلی آرہی تھی نوکر اسی میں بیٹھ کر کھانا پکاتے
ہیں بہت سے ہوس بوٹ ڈونگے راستہ میں ہم کو ملتے گئے جو گاندربل جارہے
ہیں۔ کوئی طبلہ بجاتا جا رہا تھا کوئی تاش کھیل رہا تھا کوئی کھانا کھا رہا ہے
کوئی پکار رہا ہے ہر ایک ڈونگے اور ہوس بوٹ میں ایک ایک بکرا بندھا ہوا
ہے ہم نے دریافت کیا کہ یہ ہے کیا جو سیکڑوں کشتیاں (یعنی ڈونگے) اور ہوس
بوٹ گاندربل جا رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ کل گاندربل میں میلہ ہے عرس
ہے وہاں ایک درگاہ ہے اس کا عرس ہے یہاں کا گانا عجیب طرح کا
ہے نہایت شیریں اور سریلی آواز سے گا رہے تھے قطعہ بندی اور ترکیب ہندوستانی
گانے سے بالکل الگ ہے گو کہ کشمیری زبان سخت ہے ایرانی زبان کیطرح
نرم و شیریں نہیں ہے لیکن گانے کا طریقہ بہت دل کش ہے بکرے ہر ایک
کشتی میں اسلئے رکھے ہیں کہ عرس کے دن ذبح کر کے کھائیں گے بارہ بجے ہمارا
ہوس بوٹ شالا بگو ایک مقام ہے وہاں پہونچا یہاں بوٹ ہوس ٹھہرایا گیا

ہم نے کھانا کھایا ملاحوں نے دم لیا اور کھانا کھایا ایک بجے ہم یہاں سے روانہ
ہوئے راستہ میں ایک کشتی والے (یعنی ڈونگے والے) سے اور ہمارے
ہوس بوٹ کے مالک، مانجھی سے لڑائی ہو گئی دونوں مل کر خوب لڑ رہے
تھے ڈونگے والا چاہتا تھا اپنا ڈونگا آگے ہو۔ ہمارا مانجھی کہتا تھا کہ ہوس
بوٹ آگے ہو بس اس میں جھگڑا بڑھا اور آپس میں مار پیٹ بھی ہو گئی
یہ غل سنکر بیرسٹر صاحب باہر نکلے اور دریافت کیا کہ کیا غل ہے اور اُن
لوگوں کو دھمکایا اس وقت یہ لوگ خاموش ہو گئے یہ لوگ بڑے بزدل
ہوتے ہیں راستہ میں بید کے درختوں کا بھی جنگل ملا یہاں بید دو قسم
کے ہوتے ہیں ایک تو دیسی دوسرا ولایتی دیسی بید عام طور سے فروخت
ہوتا ہے اور سیکڑوں آدمی اس کی ٹوکریاں بنا کر فروخت کرتے ہیں
بید کی ٹوکریاں سستی بکتی ہیں ولایتی بید کے کھیت نہایت احتیاط
سے رکھے جاتے ہیں سرکاری پہرہ رکھا جاتا ہے کوئی ایک درخت بھی
توڑے تو اُس کو سزا دی جاتی ہے تین بجے ہمارا ہوس بوٹ گاندربل
پہونچا یہ مقام دامن کوہ میں واقع ہے نہایت پر فضا اور بلند مقام
ہے سری نگر سے سرد ہے گاندربل کی وجہ تسمیہ یہ ہے بل معنے جگہ کے
ہیں گاندہی نام کا ایک زمانہ میں راجہ تھا اس کے نام سے مشہور رہے
اسی راجہ نے اسے آباد کیا تھا اب تو ایک مختصر سی بستی ہے بیرسٹر صاحب کو
سری نگر کے گورنر نے جو خط مہاراج گھاٹ کی اجازت کے لئے
لکھا تھا گاندربل کے تحصیلدار صاحب کے پاس بھجوا دیا تحصیلدار صاحب
نے خط پڑھ کر فوراً ایک چپراسی اور نمبردار (جس کو ہندوستان میں پٹیل
کہتے ہیں) کو ہمارے پاس بھجوا دیا اور کہا آپ مہاراج گھاٹ میں اپنا
ہوس بوٹ رکھیں یا افسر گھاٹ میں جو مقام آپ کو پسند ہو وہاں ٹھہرائیے
اور ایک چپراسی اور نمبردار آپ کے پاس حاضر رہیں گے جس چیز کی

ضرورت ہو آپ اُن سے کہہ دیجئے وہ مہیا کردیں گے بیرسٹر صاحب نے مہاراج گھاٹ جاکر دیکھا اور آفسر گھاٹ بھی دیکھا مہاراج گھاٹ میں ہزاروں چنار کے درخت ایک کے برابر دوسرا ہے آفسر گھاٹ کھلا ہوا میدان ہے چنار کے درخت دور دور ہیں ندی ایک طرف بہہ رہی ہے پہاڑ سے چشمے گر رہے ہیں ہمنے اپنا ہوس بوٹ آفسر گھاٹ میں ٹھہرایا آجکل یہاں میلہ ہے ہزاروں کشتیاں ڈونگے ہوس بوٹ وغیرہ سے تمام دریا بھرا ہوا ہے گڑبڑ بہت ہے ہزاروں آدمی سری نگر وغیرہ سے آئے ہوئے ہیں ہم بھی ہوا خوری کو نکلے تھوڑی دور جاکر میری بہت طبیعت گھبرائی بہت گڑ گڑ تھی میں گڑبڑ میں جانا پسند نہیں کرتی واپس آکر اپنے ہوس بوٹ کے ڈرائینگ روم میں بیٹھکر تماشا دیکھتی رہی آج بھی میلہ تھا تمام رات گانا ہوتا رہا ہم اپنے ہوس بوٹ میں بیٹھکر گانا سنتے رہے یہ دریائے سندھ کی ایک شاخ اس طرف نکل آئی ہے جدھر گاندربل ہے اس مقام کو سندھ ویلی کہتے ہیں

پانی پر میلہ

چاند اپنے پورے جوبن پر ہے۔ سندھ ویلی کے صاف و شفاف پانی پر چاند کا چمکتا ہوا نکلنا عجب بہار دے رہا ہے میلے کے لئے جو لوگ مختلف مقامات سے آئے ہوئے تھے انھوں نے کشتیوں پر کاربٹ کے گولے روشن کئے تھے (یہاں بجلی کا انتظام نہیں ہے صرف سری نگر میں ہے) کاربٹ کا لمپ جلاتے ہیں۔ اور کسی کشتی میں میوہ فروخت ہو رہا ہے کسی میں کپڑے کسی کشتی میں ہوٹل لگے ہیں۔ کسی میں طبلہ بج رہا ہے کسی میں سارنگی کہیں گراموفون بج رہا ہے کوئی کشمیری گانا گا رہا ہے کوئی فارسی گا رہا ہے۔ ایسا اچھا گانا تو ہمنے تمام عمر میں نہیں سنا تھا

لوگ گاتے بجاتے ہوئے کشتیاں ہمارے ہوس بوٹ کے سامنے سے لے جارہے تھے ہم گھر بیٹھے گانا سن رہے تھے اور تماشہ دیکھ رہے تھے چاندنی رات اس پر ہر ایک کشتی میں کاربیٹ کا لیمپ اور گولے روشن تھے تمام سندھ ویلی میلوں تک بقعہ نور بنی ہوئی تھی عجب اتفاق ہے کہ ہمارا آنا عین میلے اور عرس کے دن ہوا معلوم ہوا کہ ڈیڑھ ہزار کشتیاں اور ڈونگے اور ہوس بوٹ مختلف مقامات سے آئے ہیں یہ سب لوگ پرسوں چلے جائیں گے قمر شاہ کا عرس ہے انکی درگاہ یہاں دریا کے کنارے ہے ہم تو درگاہ پر نہیں گئے کیونکہ ہزارہا آدمیوں کا ہجوم تھا حیدر علی مرزا گئے تھے وہ بارہ بجے رات کو واپس آئے انھوں نے کہا مزار چھوٹے سے چبوترے پر ہے لیکن ہزارہا آدمی جمع تھا قوالی ہو رہی تھی ایک شخص کشمیری زبان میں وعظ بیان کر رہا تھا روشنی بہت کی گئی تھی یہاں تمام کشمیر میں یہ بہت اچھا دستور ہے کہ ایسے میلوں وغیرہ میں کوئی شراب و سیندھی پیتا نہیں یہاں شراب ملتی ہی نہیں دکن میں ایک درخت ہوتا ہے جس سے سیندھی نکلتی ہے غربا اسکا استعمال کرتے ہیں اور ہندوستان میں تاڑی ہوتی ہے یہاں نہ تاڑ کے درخت ہوتے ہیں نہ سیندھی نہ ممکن ہے کہ اچھی ولایتی شراب شاپوں میں ملتی ہو یہاں کے لوگ اپنا دل بہلانے کے لئے عرس اور میلوں وغیرہ کے موقع پر بکرے ذبح کرتے ہیں۔ گاتے بجاتے اپنا دل بہلا لیتے ہیں ہندوستان میں غریب بھی اپنا روپیہ شراب سیندھی وغیرہ میں بہت خراب کرتے ہیں بعض امیر بھی اس میں مبتلا ہیں۔ تاجر بہت آئے تھے اپنا سامان دن کو اور رات کو فروخت کر رہے تھے تین دن تک یہ میلا رہا اس کے بعد سب لوگ چلے گئے چہل پہل کے دیکھتے غائب ہو گئی یہاں کے تحصیلدار کو اس دن فرصت نہیں رہی انتظار کرنا پڑتا ہے دوسرے دن تحصیلدار صاحب بیرسٹر صاحب کے

پاس آئے اور کہا جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہلا بھیجئے میں حاضر ہوں گاندربل کے حالات میں تاریخ وار نہیں لکھونگی ہم گاندربل میں ایک ماہ رہے۔ صرف یہ لکھونگی کہ ایک ماہ میں کیا کیا ہوا۔ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل بھی چند روز کے لئے گاندربل آئی تھیں ان سے بھی ملاقات ہوا کرتی تھی گاندربل میں عورتیں اور مرد ٹٹوؤں پر اور گھوڑوں پر بیٹھا کرتے ہیں اور سرینگر میں اور یہاں برقعہ پہنکر ہوا خوری وغیرہ کو جایا کرتی ہیں لاہور اور کشمیر کے برقعے دہلی کے برقعہ کی وضع کے ہوتے ہیں گھیر بہت بڑا ہوتا ہے جب عورتیں برقعہ پہن کر ہوا خوری کو جایا کرتی ہیں تو ان برقعوں کے اندر ہوا بھر کر برقعہ بالکل ڈیرے کی طرح ہو جاتا ہے عجیب نظارہ ہے مجھے ہنسی آتی تھی۔ کاش برقعہ کی وضع بدل دی جائے تو بہت بہتر ہے۔ میں نے تو اپنا برقعہ ترکی وضع کا رکھا ہے۔ دوسرا برقعہ کوٹ اور منھ پر نقاب:۔

(گاندربل کے ایک مہینے کے حالات)

یہاں ایک چشمہ ہے جو ہمیشہ دن رات اُبلتا رہتا ہے نہایت اچھا پانی ہے ایک روز بیرسٹر صاحب نے تحصیلدار صاحب سے کہا کہ آپ اس چشمہ کا نام چشمہ فیض رکھیئے انھوں نے بہت پسند کیا اس چشمہ کے ذریعہ میلوں دھان کے کھیت سیراب ہوتے ہیں جہاں تک نظر کام کرتی ہے دہاں دکھائی دیتا ہے چانول روپیہ کے نو سیر گھی روپیہ کا تین پاؤ باریک چانول یہاں اور سری نگر میں پیدا نہیں ہوتے لاہور سے آتے ہیں جو روپیہ کے دو سیر ملتے ہیں گیہوں روپیہ کے پانچ سیر آٹا بھی ملتا ہے لاہور سے آتا ہے لکڑی روپیہ کی دو من روپیہ کا پانچ سیر دودھ ملتا ہے یہاں بھینس نہیں ہے گائے ہوتی ہے دودھ گائے کا ہوتا ہے گوشت پہاڑی چرائی ہونے کی وجہ سے سخت اور خراب ہوتا ہے مچھلی بہت عمدہ ملتی ہے یہاں مچھلی کھانا چاہیئے سری نگر میں بھی سب چیزوں کا یہی بھاؤ ہے۔

ترکاری لاجواب اور بہت سستی ملتی ہے کشمیر میں کوئی چیز گراں نہیں ہے سب چیز سستی ہے۔

سری نگر سے ہمارے حیدرآباد کے مسٹر وٹھل راؤ اور مسز وٹھل راؤ اور مسز راج کمار مسٹر راج کمار بھی اپنا ہوس بوٹ اور موٹر میں لیکر گاندربل آ گئے ان کے بچے کو ٹائپ ہو ائیڈ بخار آ گیا ہے بیچارے سخت پریشان ہیں چند روز کے بعد بخار اُتر گیا اس کے بعد ہم سب اکثر ہوا خوری وغیرہ کو جایا کرتے تھے ہمارے ہوس بوٹ کے برابر نظام الدین صاحب اور ان کی بی بی اور لڑکیاں ایک ہوس بوٹ میں ٹھہرے ہیں۔ یہ لوگ بھی ملنے کو آیا کرتے تھے لاہور کے رہنے والے ہیں۔ ان کے عزیز حیدرآباد میں ہیں ان سے ملاقات ہے غرض جب میں ہوا خوری کو نکلا کرتی تھی تو میرے ہمراہ بہت بیبیاں ہوتی تھیں جسکی وجہ سے وقت اچھا گزرتا تھا۔ ان لوگوں کے رہنے سے دل بہت لگتا تھا کبھی کوئی کبھی کوئی میرے یہاں آ جاتا تھا ہم سب سیر کو جایا کرتے تھے خدا کا شکر ہے کہ میں جہاں رہتی ہوں وہاں میرے لئے خدا کسی نہ کسی دوست کو پیدا کر ہی دیتا ہے۔

بہت سے خطوط بھی آنے گئے سر افسر الملک کا خط آیا لکھا ہے کہ آجکل ہیرالڈ کا خسرو جنگ کشمیر میں نہیں ہے ورنہ آپ کو بہت آرام کشمیر میں ملتا ہز ہائی نس بیگم صاحب مانا وادر کا خط آیا ہے انھوں نے لکھا ہے کہ آپ کشمیر سے واپس ہوتے ہوئے مانا ودر آئیے کیا اچھا زمانہ تھا جب آپ ہم یورپ میں تھے۔ جب میں یورپ گئی تھی تو بیگم مانا وودا صاحبہ بھی یورپ میں تھیں ان کی بھاوج ولیعہد منگلور کی بیگم سے بھی ملاقات ہوئی تھی یورپ میں ہم تینوں نے ملکر ایک تصویر اتروائی تھی وہ میرے لئے بھیجی ہے۔ اور سیلون سے آل ورلڈ کرسچین فڈریشن کے سکرٹری کا خط میرے نام آیا ہے کہ کانفرنس بنگلور میں ہوگی سب لوگ تقریر انگریزی میں کرینگے آپ اُردو میں کیجے لیکن

ترجمہ کرنے والے کو ساتھ لائیے اور ریل کا خرچ آپ کو کانفرنس سے دیا جائے گا۔ ضرور آئیے آپکی تعریف عبداللہ یوسف علی صاحب اور دوسرے لوگوں سے سنی ہے۔

میں جب حیدرآباد میں تھی اس وقت سے ان لوگوں کے خطوط آرہے ہیں افسوس کہ میں نہیں جا سکونگی۔ لاہور کے قومی کتب خانہ کے معتمد محمد نصیر ہمایون صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں ایک کتاب بچوں کے لئے لکھ رہا ہوں آپ ایک مضمون بھجوائیے۔ سہیلی رسالہ کے ایڈیٹر کا خط آیا ہے کہ مضمون بھیجو۔ حیدرآباد سے میرے بھائی کرنل ریاست علی مرزا کا خط آیا۔

ناظمہ بیگم صاحبہ بمبئی جا رہی ہیں وہاں کے اسکولوں کی انسپکٹرس مقرر ہوئی ہیں مجھ سے رائے لی کہ آپ کا کیا خیال ہے۔ لاہور میں رہوں یا بمبئی جاؤں میں نے کہا بمبئی جائیے۔

لاہور سے مولوی ممتاز علی صاحب کا اور حمید علی صاحب کا خط آیا ہے کہ مولوی صاحب کا مزاج نادرست ہے وہ کشمیر آرہے ہے۔ ڈلہوزی سے بیگم بشیر احمد صاحب ایڈیٹر ہمایون کا خط آیا ہے ڈلہوزی کے حالات لکھے ہیں اور لاہور آنے کو لکھا ہے پٹنہ عظیم آباد سے لیڈی علی امام صاحبہ کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ پٹنہ میں ایک لیڈی انجمن قائم ہوئی ہے اس کی صدر بھی وہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حیدرآباد سے بیری بہن بیگم محمد نقی صاحب ناظم آبکاری اور بیگم اعجاز حسین صاحب وغیرہ کے خطوط آئے۔ دعوتوں کے رقعے تو حیدرآباد سے بہت آتے ہیں۔ علی گڈھ سے نذر سجاد حیدر صاحب کا خط آیا ہے رسالہ اور اخبارات تو بیشمار آتے ہیں۔ بیگم نواب قادر نواز جنگ صاحب کا خط بھی آیا اور مہدی بیگم صاحبہ سکریٹری انجمن خواتین دکن کا خط آیا آل انڈیا ومن کانفرنس کے سکریٹری کا خط آیا لکھا ہے کہ آپ کمیٹی انتظامیہ کی ممبر ہیں آپ کشمیر میں ہیں اپنی جگہ کسی اور کو مقرر کیجئے۔

کشمیر میں مجلس چہلم امام حسین علیہ السلام

در ملک عرب یا کہ عجم یا کہ بدخشاں　　دیدم ہمہ جا ماتم شاہ مدنی بود

۲۰ صفر کو دوپہرا خیال ہی نکل گیا تھا یکایک خیال آیا کہ جلالی صاحب نے بیرسٹر صاحب سے کہا تھا کہ ۲۰ صفر کو مجلس چہلم امام حسین ہوگی آپ آئیے میں نے بیرسٹر صاحب کو یاد دلایا میں حیدر علی مرزا بیرسٹر صاحب گاندربل سے سری نگر روانہ ہوئے کھانا پکوا کر ساتھ رکھ لیا تھا سری نگر میں نوی بل ایک محلہ ہے جہاں بہت سے مسلمان رہتے ہیں اور شیعہ اسی محلہ میں بہت ہیں مجلس یہیں ہوتی ہے۔ سید شاہ جلالی صاحب کشمیر کے بہت بڑے جاگیردار زمیندار ہیں اور ان کے لڑکے کے خسر موتی کے تاجر ہیں۔ تمام کشمیر میں ان سے بڑھکر مسلمان دولتمند کوئی نہیں ہے ہم سب جلالی صاحب کے ہاں گئے میں زنانہ میں گئی۔ جلالی صاحب کی بی بی اور بہن بہو وغیرہ سب تھیں ہم سب نے کھانا کھایا میرے ساتھ جو کھانا تھا وہ بھی دسترخوان پر رکھا گیا ان لوگوں کو بہت پسند آیا خاص کر ہمارے ہاں کے دسترخوانی پراٹھے ان کو پسند آئے تعجب ہوا کہ ایسے پتلے اور چھوٹے چھوٹے پراٹھے بھی پکتے ہیں کشمیر میں ایک سیر آٹے میں دو پراٹھے پکتے ہیں کھانے کے بعد ہم سب امام باڑے میں گئے جو اُن کے گھر سے قریب ہے صبح کے چھ بجے سے مجلس شروع ہوتی ہے شام کے چھ بجے تک ہوتی رہتی ہے۔ کشمیری زبان میں مجلس پڑھی جاتی ہے امام باڑہ بہت بڑا ہے۔ چاروں طرف عمارت ہے بیچ میں چوبی چھت ہے بتیس ستون پر کھڑی ہے اس کے نیچے مجلس ہوتی ہے چاروں طرف دو منزلہ عمارت ہے اوپر کی منزل لکڑی کی ہے اور باریک جالی لکڑی کی لگی ہوئی ہے۔ یہیں عورتیں بیٹھکر مجلس سنتی ہیں۔ نیچے کے حصہ میں اور بیچ میں مردانہ

رہتا ہے صبح سے شام تک جس کا دل چاہے آئے اور مجلس میں شریک ہو مرد جب مجلس میں آتے ہیں صحن کے اندر آتے ہی اپنا کوٹ اور سر کا عمامہ اُتار دیتے ہیں۔ جتنے مرد شریک مجلس تھے سب کے سر ننگے تھے یہاں کی مرثیہ خوانی کا طریقہ تمام دنیا سے الگ ہے میں نے بہت سے سفر کئے اور ہر جگہ مجلس سُنی عراق عرب پٹنہ عظیم آباد. کلکتہ حیدر آباد کہیں اس طرح کی مجلس نہیں ہوتی ہے ایک شخص کھڑا ہو کر مرثیہ پڑھتا ہے بیس پچیس آدمی گول حلقہ باندھ کر جواب دیتے ہیں جواب دیتے دیتے بے خود ہو کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے ہیں خوب زور زور سے سینہ کوبی کرتے ہیں۔ اور سر پیٹتے جاتے ہیں۔ سینہ پر دونوں ہاتھوں سے زور زور سے مکے مارتے ہیں جو شخص کھڑا ہو کر مرثیہ پڑھتا ہے وہ مجلس میں چلنا شروع کرتا ہے جوابی خوب چلا چلا کر جواب دیتے ہیں۔ مجلس میں کھچا کھچ لوگ بھرے ہوئے تھے۔ پڑھنے والا شخص ان لوگوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اور سر پر ہاتھ رکھ کر لوگوں کو پھاند کر گزرتا جاتا ہے اور مرثیہ پڑھتا جاتا ہے کبھی ہاتھوں کے اشارے سے بتاتا جاتا ہے ایک مصرعہ پڑھتا ہے چار مصرعے جوابی جواب میں پڑھتے ہیں۔ جو شخص پڑھتا ہے وہ اس مجلس میں سے دو لڑکوں کو لیکر ان کے منہ پر عبیر جو خاک کی طرح ہوتی ہے ملتا ہے اور خود بھی اپنے منہ پر مل لیتا ہے اور دونوں لڑکوں کو لے کر منبر کے پاس آتا ہے منبر پر لڑکوں کو کھڑا کر کے حضرت زینب کے صاحبزادوں کا حال پڑھتا جاتا ہے۔ اور اشاروں سے میدان کربلا کا واقعہ بتاتا جاتا ہے اور بہت زور زور سے سینہ اور سر کو مکّوں سے مارتا جاتا ہے اس مرثیہ خوان کا پڑھنا جب ختم ہوا تو دوسری جماعت نے شروع کیا۔ انہوں نے بھی اسی طرح شروع کیا اور ایک لڑکے کو لیکر منبر پر آیا اور علی اصغر علیہ السلام کے حالات پڑھ کر ماتم کیا ان لوگوں کے اشارے غضب کے ہوتے ہیں ہم کو کشمیری زبان نہیں آتی صرف اشاروں کو دیکھکر اور ان کے پڑھنے کی ترکیب سے رونا آرہا تھا

صبح سے شام تک کوئی بیس پچیس مرثیہ خوان پڑھتے رہے آخر میں مولوی میر امداد علی شاہ صاحب لاہوری نے مرثیہ خوانی کی انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج میں ایک مرثیہ اُردو میں پڑھوں گا کیونکہ یہ ہمایون مرزا صاحب جو حیدر آباد سے کشمیر تشریف لائے ہیں آج اس مجلس میں شریک ہیں۔ انہوں نے پہلے اُردو میں پڑھا اس کے بعد کشمیری زبان میں اُسی طرح مرثیہ پڑھا جس طرح سب نے پڑھا ان کا جوش سب سے بڑھا ہوا تھا پڑھتے پڑھتے جوش میں آکر اپنے سر کا عمامہ اتار کر پھاڑ کر کفنی بنا کر گلے میں ڈال لی ایک دوسرے شخص نے ریشمی کفنی اور ایک مشک لا کر دیدی امداد علی صاحب نے کفنی ریشمی پہن لی اور مشک گلے میں ڈال کر چار لڑکوں کو لیکر ممبر پر کھڑا کر دیا اور حضرت زینب کا حال پڑھنا شروع کیا حضرت زینب اپنے لڑکوں اور بھتیجوں کو شہید ہونے بھجوا رہی ہیں جب مجلس خوب گرم ہو جاتی اور ہوکوں۔ یوں۔ یوں کی آتی ہے میں نے دریافت کیا کہ یہ آواز کیوں آئی یہ پنگی کیوں بجی۔ تو جلالی صاحب کی بہن نے کہا اس کو نعرہ حیدری کہتے ہیں۔ جب ظہر عصر کی نماز کا وقت ہوا تو سب نماز کے لئے اُٹھے میں نے اُوپر سے ایک صف گن لی ایک صف میں پچاس آدمی تھے جملہ گیارہ صفیں تھیں اس طرح ساڑھے پانچ سو آدمی ہوئے بہت سے لوگ چلے بھی گئے تھے کیونکہ صبح سے شام تک تو سب آدمی ٹھہر نہیں سکتے۔ کوئی آتا کوئی جاتا ہے اسی طرح مجلس ہوا کرتی ہے نماز کے بعد ایک شخص کھڑا ہو کر منبر کے پاس وعظ کرتا ہے۔ حضرت امام حسین کے حالات بیان کرتا ہے منبر پر بیٹھتا نہیں ہے یہ عجب بات ہے کسی نے بھی ممبر پر بیٹھکر مجلس نہیں پڑھی وعظ کے بعد نوحہ پڑھتے گئے ماتم ہوتا گیا نوحہ خوان جماعتیں چار تھیں۔ ایک ایک ٹکڑی الگ الگ تھی لیکن سب چاروں مل کر پڑھنے لگے پہلے ایک علم کا رچوبی پنکوں کا آیا (جس کو ڈھٹی بھی کہتے ہیں) اس کے ساتھ ایک جماعت نوحہ خوانی

تھی۔ اس کے بعد پھر ذوالجناح آیا اس کے ساتھ بھی نوحہ خوان جماعت تھی سینہ کوبی کرتی ہوئی واویلا صد واویلا کہتی جاتی تھی اس کے بعد تابوت آیا جھانجھ بجائے جاتے تھے اور ماتم کرتے جاتے تھے لوگ اپنے سر کے عمامے اُتار کر ننگے سر مجلس میں شریک ہوتے تھے اپنے عمامے اسی تابوت سے مس کرتے جاتے تھے غریب روٹی اور جو چیز ہاتھ میں تھی تابوت سے مس کرتے عورتیں اندر سے میوہ اور پیسے اسی تابوت میں ڈالتی جاتی تھیں مجلس میں ایک بہشتی مشک لے کر آیا سب کو پانی پلاتا پھر انقرئی گلاب پاشوں سے عرق گلاب حاضرین پر چھڑکا جا رہا تھا۔ ہند اور عرب وغیرہ میں مجلس حسین میں ماتم کرتے وقت حسین حسین کہتے ہیں یہاں ماتم کرتے وقت واویلا صد واویلا کہتے ہیں چھ بجے شام کو مجلس ختم ہو گئی زنانہ میں لوگ بہت آئے تھے سب بیبیاں برقعہ پہنکر پیدل اپنے اپنے گھروں کو گئیں کوئی بھی سواری میں بیٹھکر نہیں گئی یہاں بھی ایران و عربستان وغیرہ کی طرح عورتیں برقعہ پہنکر مجلس اور بازار وغیرہ جاتی ہیں۔ لیکن پردہ سخت ہے۔

وہاں سے ہم گاندربل روانہ ہوئے شام کے آٹھ بجے گاندربل پہونچے بہت سے خطوط وغیرہ ملے۔

گلمرگ کی سیر

اگر فردوس بروئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

۱۱ اگست صبح کو چھ بجے نوکروں نے کھانا پکا کر تیار کیا ہم نے ناشتہ کیا کھانا جو تیار ہوا تھا ساتھ لے کر موٹر میں سوار ہو گئے گاندربل سے گلمرگ ۴۲ میل کے فاصلہ پر ہے ہم زڈی بل اور سری نگر ہوتے ہوئے اس سڑک پر پہنچے جو بارہ مولا کو جاتی ہے جدھر سے ہم سری نگر آئے تھے یہ سڑک بہت لمبی ہے۔ دونوں جانب سربفلک سفیدہ کے درخت ہیں۔ جن کا ذکر پہلے کر چکی ہوں یہ درخت میلوں ملتے گئے دونوں جانب سبزہ زار اور وہاں کے کھیت لہلہا رہے تھے جو آنکھوں کو

تراوٹ بخش رہے تھے بارہ مولا والی سڑک کو چھوڑ کر ایک سڑک میں داخل ہوئے یہاں بھی وہی سماں تھا دونوں جانب سفیدے کے درختوں کی وجہ سے اس سڑک کو ایوینیو کہنا چاہیئے۔ تین چار میل کے بعد عجیب دلکش رقبہ زمین ملا تمام وادی کشمیر میں اتنا چوڑا رقبہ جو پہاڑوں اور پہاڑیوں سے محروم ہو کہیں نہیں دیکھا۔ کوسوں ہرے ہرے دھان کے کھیت دونوں جانب چشمے روح کو تازگی دے رہے تھے میرا جی چاہتا تھا کہ ایسا راستہ ختم نہ ہوئے ایک طرف دس بارہ میل کے فاصلہ پر کوہ ہمالیہ کا سلسلہ تھا مگر بوجہ فاصلہ کے دھندلا دھندلا سا تھا دوسری جانب بھی اسی طرح دوسرے پہاڑوں کا سلسلہ بارہ تیرہ میل کے فاصلہ پر بالکل دھواں سا معلوم ہو رہا تھا بیچ میں تمام دھانی رنگ کے کھیت اور جا بجا چشمے اور نالے جو پہاڑی چشموں اور پہاڑوں کی برف کے پگھلنے سے بہ رہے تھے نہایت دلفریب منظر تھا ان کھیتوں کی پرورش اسی پانی سے ہوتی ہے اس طرح کی سطح زمین کوئی پانچ چھ میل تک ملی اس کے بعد وہی پہاڑوں کا سلسلہ دونوں جانب ملتا گیا ساڑھے نو بجے ہم ٹنمرگ پہنچے۔ ٹنمرگ کوہ گلمرگ کے دامن میں ہے اس کی بلندی سطح سمندر سے ساڑھے چھ ہزار فیٹ ہے سری نگر کے مقابلہ میں یہ مقام ٹھنڈا ہے مگر اس کی بلندی موٹر کی روانی کی وجہ سے معلوم نہیں ہوئی۔ البتہ دونوں جانب جو منظر دکھائی دے رہے تھے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہم اُوپر چڑھ رہے ہیں سڑک تو اونچی ہوتی جاتی تھی اور کھیت اور نالے وغیرہ نیچے بہتے دکھائی دیتے تھے۔ ٹنمرگ میں ایک ڈاکخانہ اور تار گھر ہے چند دوکانیں اناج وغیرہ کی ہیں مہاراج کے لئے ایک رسٹ ہوس (آرام گاہ) بنا ہوا ہے جسمیں سوا مہاراج کے یا جس کو وہ اجازت دیں کوئی اور قیام نہیں کر سکتا۔ ایک مسافر بنگلہ بھی ہے جسمیں سیاح کرایہ دینے پر ٹھہر سکتے ہیں۔ جو لوگ گلمرگ جانا چاہتے ہیں وہ ٹنمرگ میں ٹٹو یا ڈانڈی بکرایہ لیتے ہیں۔ ڈانڈی ایک قسم کی ڈولی ہوتی ہے۔ مگر لبھی

آگے پیچھے ڈنڈے لگے رہتے ہیں۔ دو مزدور آگے اور دو پیچھے کاندھوں پر اُٹھا لیتے ہیں۔ دو اور مزدور ہر ڈانڈی کے ساتھ کوتل رہتے ہیں۔ جو کاندھا بدلتے جاتے ہیں ٹنمرگ میں جب ہم پہنچے تو ٹھیکیدار کا آدمی آیا۔ اور اس نے بیرسٹر صاحب سے دریافت کیا کتنے ٹٹو اور کس قدر ڈانڈیاں درکار ہیں۔ بیرسٹر صاحب نے ایک ٹٹو حیدر میاں کے لئے اور ایک ڈانڈی اپنے لئے اور ایک ڈانڈی میرے لئے لی آمد و رفت کا کرایہ فی ڈنڈی عہ ہر ڈانڈی کے ساتھ چھ مزدور ہوتے ہیں۔ فی ٹٹو عہ ڈانڈی ٹھیکیداری کی ملک ہوتی ہے۔ اور یہ مزدور اس کے ملازم ٹھیکیدار فی مزدور دس رو پیہ ماہانہ دیتا ہے۔ ٹٹو مختلف لوگوں کے ہوتے ہیں۔ مگر ٹھیکیدار کے زیر انتظام ہوتے ہیں ٹٹو کا مالک ہم رفی ٹٹو ٹھیکیدار کو دیتا ہے۔ ٹھیکہ دار نیڈو ہے جس کے ہوٹل لاہور اور سری نگر میں اور ایک ہوٹل گلمرگ میں بھی ہے۔ علاوہ اس کے بہت سے ڈاک بنگلے بھی اس کے ٹھیکہ میں ہیں۔ نیڈو ایک یوروپین اٹلی کا رہنے والا عیسائی شخص تھا خود وہ مر گیا بہت بڑی جایداد چھوڑ گیا تین لڑکے اس کے ہیں۔ بڑا کل جایداد کا مالک ہے وہ بڑی بامشہور ہے چونکہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس کا اسلامی نام عبد الرحمٰن ہے اس کی ایک لڑکی ہے جسنے عشق الٰہی میں شادی نہیں کی رات دن قرآن مجید پڑھتی اور روزے رکھتی اور نمازیں پڑھتی رہتی ہے۔ اس کے یہ قصے مشہور ہیں بڑی محنتی اور رحمدل بھی ہے۔ مگر بڑا غضب ہے کہ ایک ہی ٹھیکہ دار ہے۔ اور اسٹیٹ بھر میں بہت سے معاملوں میں اس کی مناپلی ہے۔ بوجہ اُس کی دولت و ثروت و اثرات کے کوئی اس کے مقابلہ میں ٹک نہیں سکتا ہے۔ غریب مزدوروں کو ماہانہ دس روپیہ یعنے پانچ آنہ روز دیتا ہے۔ اور بے حد محنت لیتا ہے۔ باقی رقم خود ہضم کرتا ہے۔ بیچارے غریب مسلمان پانچ آنہ روزانہ میں اس قدر محنت کرتے ہیں کہ دوسری جگہ کوئی روپیہ

سوا روپیہ روز میں بھی اس قدر محنت برداشت کر نہ سکے گا۔

جس وقت ہماری ڈانڈی گلمرگ کے پہاڑ پر چکردار سڑک سے لے جا رہے تھے تو تھک کر چور چور اور پسینے پسینے ہو جاتے تھے باوجودیکہ کاندھا بدلنے کے لئے دو اور مزدور رہتے ہیں مگر پہاڑ کی چڑھائی بہت محنت لیتی ہے دو گھنٹہ چلتے رہنا ہوتا ہے گلمرگ کی بلندی دو میل ہے۔ مگر پہاڑ کی چڑھائی کے دو میل دس میل کے برابر ہوتے ہیں دس بجے ڈانڈی میں سوار ہوئے اور اُوپر روانہ ہوئے جیسا ہر گھاٹ روڈ کا خاصہ ہوا ایک طرف پہاڑ دوسری جانب خندق اور غار ملتے گئے مگر یہ غار جنگلوں سے چھپے ہوئے تھے۔ اسی طرح ان پہاڑوں پر بھی بڑے بڑے درخت ہیں۔ سرو شمشاد کے درخت اور دیودار کے درخت بکثرت ہیں دیودار کی لکڑی بہت بکارآمد ہوتی ہے جہاز اور کشتیوں کے بنانے میں بھی کام آتی ہے فرنیچر میں بھی کام آتی ہے۔ علاوہ ان درختوں کے ایک قسم کا درخت ہوتا ہے آرکیڈ یا جس کو یہاں بڈلو کہتے ہیں۔ نہایت خوشنما پتے ہوتے ہیں۔ حیدرآباد میں بعض لوگوں کے اور سرکاری چمنوں میں خوشنمائی کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ میں کبھی ڈانڈی سے اتر کر پیدل چلنے لگتی تھی۔ تاکہ بیچارے مزدور دم لیں بارہ بجے گلمرگ پہونچے گل مرگ کے معنے پھولوں کا میدان واقعی اسم بامسمٰے ہے ہم ایک نہر کے کنارے درختوں کے سایہ میں قالین بچھا کر بیٹھ گئے یہ نہر نورجہاں کی بنائی ہوئی ہے۔ کسی پہاڑی چشمہ سے اس میں پانی آتا ہے اس پانی کا کیا کہنا۔ جو آدمی ہمارے ساتھ تھے انھوں نے عارضی چولھا بنا لیا تھا اور کھانے گرم کئے ہم لوگوں نے کھانا کھایا بیرسٹر صاحب لیٹ گئے میاں حیدر کو لیکر میں سیر کو نکلی ایک طرف ایک بازار ہے مختلف چیزوں کی دوکانیں ہیں۔ بعض میں انگریزی چیزیں بھی ملتی ہیں۔ ایک جانب ایک پہاڑی پر ایک مندر ہے جس کا نام مہاراجہ مندر ہے ہم اس پہاڑ پر چڑھ کر اس مندر میں گئے کسی نے روکا ٹوکا نہیں بہت مختصر سا مندر ہے پنڈت کا

ایک ہوٹل بھی ہے اس نے بہت سے خیمے نصب کر رکھے ہیں۔ جنہیں وہ یورپین
سیاح جن کو مکان لینا منظور نہیں ہوتا ہے ٹھہرتے ہیں مکانات بہت چھوٹے
چھوٹے لکڑیوں کے ہوتے ہیں چونکہ سارا جنگل لکڑیوں سے پٹا ہوا ہے
اس لئے لکڑیوں سے بنائے ہیں ان مکانوں کو ہٹ کہتے ہیں۔ یعنی جھونپڑے
ہیں ہر ہٹ کے دروازہ پر نمبر لگا رہتا ہے تاکہ ہر شخص کا جو ہٹ میں رہتا ہے آسانی
سے پتہ لگے ہٹ کل دو ڈھائی سو ہیں اس لئے ان کا کرایہ بھی گراں ہے
دو تین ماہ قبل لینے کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ اور سیزن بھر کا یعنے تین ماہ کا کرایہ
دینا ہوتا ہے جیسا قاعدہ دوسرے ہل اسٹیشنوں میں ہے رزیڈنٹ کا ہٹ
بڑا ہے بہت بچے سے غرض یہ ہے کہ بمقابلہ عام ہٹوں کے ذرا کشادہ ہے
مختصر سا چمن ہے اور کمرے بھی ذرا بڑے ہیں۔ ان ہٹوں میں زیادہ تر انگریز
رہتے ہیں۔ ایک دوسرا طریقہ رہنے کا یہ ہے کہ خیمے کرایہ لئے جائیں ایک
روپیہ روزانہ سے چار روپیہ روزانہ تک کا خیمہ ملتا ہے ایک ٹھیکہ دار ہے جو خیمے
کرایہ دیتا ہے۔ اور ضروری فرنیچر بھی کرایہ دیتا ہے جیسا پہلگام میں
انتظام ہے جاڑوں میں یعنے اکتوبر سے اس قدر برف یہاں گرتی ہے کہ
کوئی رہ نہیں سکتا ہٹوں میں قفل ڈال دیئے جاتے ہیں۔ لوگ چلے جاتے
ہیں۔ پہاڑی لوگ چوکیداری کرتے ہیں ایک مختصر سا سطح میدان ہے
جہاں ہاکی گالف بھی کھیلتے ہیں اور گھوڑ دوڑ بھی ہوتی ہے باقی زمین نشیب و فراز
ہے۔ اس قدر بلندی پر یہ مختصر سا سطح میدان بہت غنیمت ہے گلمرگ کی
بلندی سطح سمندر سے ساڑھے آٹھ ہزار فیٹ ہے یہاں ایک طرف ایک
پہاڑ گلمرگ سے بھی ڈیڑھ دو ہزار فیٹ اور بلند ہے جس کو کلن مرگ کہتے ہیں
اس پر ہر وقت برف جمی ہے اور گرمیوں میں جب آفتاب عالمتاب نکلتا
ہے تو پگھل پگھل کر برف بہتی ہے اور پانی گلمرگ سے بہتا ہوا نیچے آجاتا ہے
جو جنگلوں کے درختوں کو سیراب کرتا ہے۔ کلن مرگ کی چڑھائی اور وہ

سیل سے ہے وہاں مطلق آبادی نہیں ہے لوگ ٹٹو پر اوپر جمی ہوئی برف دیکھنے
جاتے ہیں دوسری جانب ایک اور پہاڑ ہے اس پر بھی گلمرگ سے جاتے
ہیں۔ اس کا نام بابا ریشی ہے کسی زمانہ میں کوئی سادھو فقیر وہاں رہتا
تھا اس لئے ہندو اس مقام کو متبرک سمجھتے ہیں۔ ایک اور مقام بھی کچھ بلندی پر
ہے جہاں سے ایک نالہ آتا ہے جس کو نالہ فیروز پور کہتے ہیں۔ یہ نالہ ایک پہاڑ پر سے
چوڑا ہو کر آتا ہے یہ خاص خصوصیت نالے کی ہے ورنہ پہاڑوں پر سے جو نالے
آتے ہیں وہ دو تین بالشت سے زیادہ چوڑے نہیں ہوتے ہیں آگے جا کر
چوڑے ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی لوگ ٹٹو پر جاتے ہیں۔ ڈانڈی نہیں جا سکتی
چوتھا مقام جو بلند ترین ہے وہ چوٹی گلمرگ کی ہے اس کا نام اپاتھری ہے یہ چوٹی
تیرا ہزار فیٹ بلند سطح سمندر سے ہے یہاں بھی دوازدہ ماہ برف رہتی ہے
ایک دن میں یہ کل مقامات انسان نہیں دیکھ سکتا جو لوگ وہاں جا کر چند روز
مقام کرتے ہیں وہ بآسانی ان مقامات کی سیر کر سکتے ہیں۔ بعض چیزیں جو
دور سے دکھائی دیتی ہیں وہ دیکھیں۔ چائے کا سامان ہمارے ساتھ تھا
آدمیوں نے چائے تیار کی چائے پی کر وہاں سے روانہ ہوئے بیرسٹر صاحب
اور میں ڈانڈی میں سوار ہو گئے اور میاں حیدر ٹٹو پر سوار ہو گئے چونکہ
اترائی آسان ہوتی ہے۔ مزدوروں کو زحمت بہت کم ہوتی ہے اس پر بھی
میں ڈنڈی سے اتر اتر جاتی تھی اور بوجہ شام کا سہانا وقت ہونے کے
پیدل چلنا بھلا بھی معلوم ہوتا تھا۔ کشمیر میں گرمیوں میں کئی گھنٹے شفق پھولی رہتی
ہے شام کے آٹھ بجے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور روشنی کی ضرورت ہوتی
ہے ہم پانچ بجے گلمرگ سے روانہ ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ میں اتر آئے۔ میاں
حیدر تو برابر پیدل ہی اترے جا بجا کی تصویریں لیتے جاتے تھے اس لئے
ڈیڑھ گھنٹے صرف ہوئے ورنہ ایک گھنٹہ کافی تھا جب ہم قریب اترنے کے تھے
تو ایک پلنگ پر ایک آدمی کو ڈالے ہوئے لوگ گلمرگ کے ہاسپٹل میں اوپر

لیجا رہے تھے جب ٹنمرگ میں پہونچے تو وہاں بہت گڑبڑ دیکھی معلوم ہوا کہ جس شخص کو پلنگ پر ڈالے ہوئے۔ لوگ لے جا رہے تھے وہ ایک پولیس کا جوان تھا کسی صاحب کے سکھ ڈرائیور سے اور اس کانسٹبل سے کسی بات پر جھگڑا ہوا نوبت مارپیٹ کی پہونچی ڈرائیور نے پولیس کے جوان کو اس قدر مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا سر پھٹ گیا۔ ٹنمرگ میں اہلیان پولیس جمع تھے لوگ کہتے تھے کہ اس قدر چوٹ لگی ہے کہ پولیس میں جو زخمی ہوا تھا وہ بیچارہ غالباً نہ بچے گا پولیس کا جوان جس نے مار کھائی تھی وہ مسلمان تھا اور بوجہ مسلمان ہونیکے کس مپرسی کی حالت میں تھا اور جس نے مارا وہ سکھ تھا اس لئے اگر یہ بیچارہ جوان مر بھی جائے تو کوئی پوچھنے والا نہیں جب ٹنمرگ پہونچے تو موٹر میں بیٹھ گئے جس پر ہم آئے تھے وہ دن بھر وہیں کھڑی تھی جوں ہی ہم موٹر میں سوار ہوئے کہ مسٹر ویکفیلڈ ملے وہ ان دنوں ٹنمرگ میں مقیم ہیں سری نگر میں گرمی بہت ہے اس لئے یہاں چلے آگئے ہیں اور خیموں میں رہتے ہیں ہم کو دیکھکر مسٹر ویکفیلڈ ہمارے موٹر کے پاس آکر بیرسٹر صاحب سے باتیں کرنے لگے سری نگر ہوتے ہوئے گاندربل رات کے ساڑھے نو بجے پہونچے یہاں کھانا تیار تھا مگر میں اسقدر تھک گئی تھی کہ کھانا کھایا نہ گیا۔

سیر مانس بل جھیل

۱۰ اگست صبح کو کرائے کے ٹانگے منگائے اور دو گھوڑے کرایہ کے منگا کر حیدر علی مرزا اور دو نوکر ساتھ لے کر ہم مانس بل گئے چونکہ مانس بل کی سڑک خراب ہے وہاں موٹر نہیں جا سکتی اور بعض جگہ ایسی ہے کہ گھوڑوں پر جانا ہوتا ہے اس لئے ہم تو تانگے میں جا رہے ہیں بیرسٹر صاحب کو دل کی شکایت ہے ان کو ٹانگے اور گھوڑے پر بیٹھنا منع ہے اس لئے وہ نہیں گئے گاندربل سے مانس بل آٹھ نو میل ہے کشمیر میں یہ جھیل نہایت خوبصورت

سمجھی جاتی ہے اس لئے میں دیکھنے گئی ایک طرف سربفلک پہاڑوں کا سلسلہ ہے ان پہاڑوں پر درخت نہیں ہیں۔ مٹی اور پتھر کے پہاڑ ہیں ان پہاڑوں کے دوسری طرف بستی و آبادی ہے اور بیچ میں جھیل مانس بل ہے اس جھیل میں سرخ سرخ کنول کے پھول سبز سبز پتوں میں نہایت بھلے معلوم ہو رہے تھے یہ پھول فروخت ہوتے ہیں اسکا ایک ٹھیکہ دار ہے وہ بیچتا ہے ہم نے خرید کئے ایک طرف میدان ہے یہاں چھوٹا سا باغ ہے اس جگہ ایک فقیر کا غار ہے جس کو گفہ کہتے ہیں اس فقیر کا نام احمد شاہ تھا اس کا مزار اسی غار کے قریب ہے مسجد بھی ہے ان کی اولاد بھی ہے وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور احمد شاہ کے حالات بیان کئے اور ایک چراغ روشن کر کے ہم کو اس غار کے اندر لے کر گئے دس گز لمبا غار ہے فقیر کی نماز کی جگہ بھی وہیں ہے باغ جو اس کے قریب ہے احمد شاہ کے بیٹے کے علاقہ میں ہے اس باغ میں سیب اور بیریں اور انار وغیرہ کے درخت ہیں ہم کو بھی بیریں توڑ کر لا دئے کشمیری ناشپاتیاں چھوٹی چھوٹی نہایت شیریں تھیں یہاں سے تانگہ آگے نہیں چل سکتا چھوٹی سی سڑک پہاڑوں کے کنارے کنارے ہے۔ یہاں سے ہم ٹٹوؤں پر سوار ہو کر چونے کی کان دیکھنے گئے چونے کے پتھر پہاڑوں میں سے نکال کر بھٹی میں جلا کر چونا بناتے ہیں تمام کشمیر میں یہیں سے چونا جاتا ہے۔ اس جگہ کے پہاڑوں پر درخت نہیں ہیں۔ شاید اس کی یہی وجہ ہو کہ چونے کا اثر یا چونا جو پہاڑوں میں ہے درخت اُگنے نہیں دیتا۔ چونا جلایا جا رہا تھا لوگ کام میں مصروف تھے کشتیوں میں اور ڈونگوں میں چونا رکھ کر دریا کے ذریعہ سری نگر جا رہا تھا کشمیر کے مکانات اکثر لکڑی کے ہوتے ہیں۔ چونے اور اینٹ کے بہت کم ہوتے ہیں مکانات کو چونا ڈالنے کا دستور بہت کم ہے اکثر مکانات سیاہ ہوتے ہیں یہاں کی مٹی کا رنگ سفید ہے یہاں سے ہم اس فقیر کے گفہ کے پاس آئے ایک چنار کے درخت کے نیچے بیٹھ کر ہم نے

کھانا کھایا جھیل مانس بل سامنے یہ رہی تھی گو مانس بل جھیل سے اولر جھیل بہت بڑی ہے یعنی دس میل چوڑی اور پندرہ میل لمبی ہے اور مانس بل جھیل چار میل چوڑی اور چھ میل لمبی ہے مگر اس کے عمق کا کسی سے پتہ نہ لگا کہا جاتا ہے کہ ایک فقیر نے بارہ سال تک ایک رسی بانٹی اور جب اندر ڈالی تو تہ کا پتہ نہ لگایا۔ یہاں کا نظارہ بے مثل ہے۔

چونکہ وقت گرم تھا دھوپ تیز تھی اس لئے تھوڑی دیر ٹھہر کر ہم ٹٹوؤں پر سوار ہو کر نور جہاں کا باغ دیکھنے گئے اس باغ کا نام جھروکا باغ ہے ایک زمانہ میں بہت بڑا باغ ہوگا اب تو چاروں طرف جدھر نظر اٹھاؤ وہاں کھیت ہی کھیت ہیں۔ بیچ میں چند درخت انار وسیب و ناشپاتی کے ہیں یہاں بھی ایک فقیر رہتا ہے اس کی ایک بیوی اور پانچ بچے ہیں اس کا مکان عجیب و غریب ہے چھوٹی چھوٹی تین چار کوٹھریاں ہیں اور چھت قد آدم سے زیادہ اونچی نہیں اس چھت پر لکڑی کی چھت کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ایک کمرہ ہے جسمیں اس کا کچھ سامان اور لکڑی وغیرہ تھی یہاں اکثر مکانوں میں اسی قسم کا ایک حجرہ اوپر ہوتا ہے اس کے مکان کے قریب ایک چنار کا درخت ہے جس کے نیچے ایک نیچے پایوں کا ایک تخت رکھا ہے جس پر یہ لوگ گرمیوں میں راتوں کو سوتے ہیں۔ اس فقیر نے چند انار اور ناشپاتیاں درختوں سے توڑ کر مجھے دیں میں نے دو روپیہ بطریق انعام اُس کو دیئے بیچارہ غریب بہت خوش ہو کر دعائیں دینے لگا۔ نور جہاں کے زمانے کا ایک پختہ حمام مگر بوسیدہ حالت میں ابتک موجود ہے اس کی چھت زمین کے برابر ہوگئی ہے۔ ایک طرف نیچے اُترنے کو دروازہ ہے میں ٹہلتے ٹہلتے اُدھر جا نکلی تو دروازہ دکھائی دیا۔ اندر گئی تو چھوٹا سا دالان اور ایرانی وضع کا حمام معلوم ہوا۔ پانی گرم کرنے کی جگہ بھی باقی ہے۔ دیواروں میں ایرانی وضع کی مینا کاری جس کو ایران میں کار کاشی کہتے ہیں ابتک موجود ہے بہت سے مقامات کا رنگ اُڑ گیا ہے آخر کہاں تک

رہتا یہ کیا کم غنیمت ہے کہ کس مپرسی کی حالت میں صدیاں گزر گئیں اس پر بھی نمایاں ہے۔ اس حمام سے مانس بل جھیل کا نظارہ نہایت نظر فریب ہے ایک کنارہ پر یہ حمام ہے جو قدیم باغ کی عمارتوں کے متعلق ہوگا بیچ میں جھیل دوسری طرف پہاڑوں کا سلسلہ ہے اس باغ کو دیکھکر بیحد حسرت ہوئی کہاں گئی وہ پری جمال نازنین جس نے یہ باغ لگایا تھا اور اس حمام میں نہاتی ہوگی اپنے زمانے میں کیا کیا عیش کئے ہونگے۔ ایک فقیر یہاں اس کی یاد تازہ کرنے اس کے حالات بتانے کے لئے رہتا ہے جہاں شہنشاہ بیٹھتا اور سیر کرتا تھا وہاں ایک ٹکڑ گدا بیٹھا بھیک مانگ رہا ہے یاس و حسرت آنسو بہا رہی ہے قدیم چنار کا درخت ہنس ہنس کر مجھ سے کہتا ہے کہ دیکھ بے ثباتی دنیا اسی کا نام ہے تو کس گھمنڈ میں یہاں سیر کو آئی ہے ہمارے حال پر ہنستے آئی ہے یا رونے آئی ہے۔ میں نور جہاں کے دست مبارک کا لگایا ہوا ہوں وہ فنا ہوگئی مگر میں باقی ہوں۔ میں بھی باقی رہنے والا نہیں ہوں کچھ عرصہ کے بعد جل کر خاک ہو جاؤں گا صرف ایک ذات باری کو بقا ہے ورنہ کُلُّ من عَلَیْھَا فَانٍ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ کہا جاتا ہے کہ لالہ رخ اپنے فرانسیسی عاشق کے ساتھ ایک مختصر سے جزیرہ میں جو مانس بل کے کسی حصہ میں تھا اور اب ناپید ہے رہا کرتی تھی۔

تمازت آفتاب کی وجہ سے گرمی کی شدت محسوس ہونے لگی چار بجے وہاں سے روانہ ہوئے گھوڑے پر بیٹھنے کی عادت نہیں بڑی دشواریوں سے وہاں تک پہونچے جہاں ہمارا تانگہ کھڑا تھا یہاں پر ایک بڑے چنار کے درخت کے نیچے ایک خیمہ میں ایک انگریزنی ٹھہری ہوئی ہے وہ خیمہ کے دروازہ پر ایک سفری کرسی پر بیٹھی ایک کتاب دیکھ رہی تھی دو تین چھوٹی چھوٹی کرسیاں اس کے سامنے رکھی تھیں وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور میں نے مسکراہٹ سے جواب دیا اُس نے اشارہ سے مجھ سے کہا کہ یہاں آکر بیٹھو میں نے اس کی دعوت

قبول کی اور ہم لوگ وہاں جا بیٹھے۔ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں یورپین ہوں۔ میں نے کہا نہیں ہندی ہوں اور حیدرآباد دکن میرا وطن ہے تب اُس نے کہا کرنل ناکس جو رزیڈنٹ تھا وہ میرا عزیز ہے تم اس سے واقف ہو میں نے کہا خوب اُس سے واقف ہوں مسز ناکس سے میرا بہت دوستانہ تھا اور کرنل ناکس کے بھائی ڈاکٹر ناکس میرے فیملی ڈاکٹر تھے جبتک وہ حیدرآباد میں رہے ہم لوگوں کا علاج وہی کرتے تھے اُس نے کہا میرے شوہر کا نام کرنل ہڈسن تھا وہ مرگیا جب سے میں مختلف مقامات عالم کی سیر وسیاحت میں اپنا دل بہلا لیتی ہوں میں نے کہا اس سنسان جنگل میں تم تنہا ایک خیمہ میں رہتی ہو گھبراتی نہیں ہو اس نے کہا مطلق نہیں البتہ میں ذرا پریشان رہتی ہوں وہ اس لئے کہ میرے نوکر مجھے بہت ستاتے ہیں اور بہت ڈرتے ہیں میں نے جہاں تک دنیا دیکھی امریکہ اور جاپان وغیرہ تمام پھری ہوں مگر کشمیر سے بہتر کوئی جگہ مجھ کو نہیں ملی دو مہینہ میں گلمرگ میں رہی ایک ماہ سے مانس بل میں ہوں اور ادھر اُدھر کی چند باتیں کرکے میں اس سے رخصت ہوئی راستہ میں ایک باغ ملا اس کا نام رنبیر باغ ہے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ جو موجودہ والی کشمیر کے دادا تھے لگایا ہوا ہے اس باغ میں صرف انگور کے درخت ہیں۔ مختلف اقسام کے مگر ترش ہوتے ہیں یہاں سے سڑک صاف ملی راستہ میں ایک تحصیل کا باغ ملا مگر ہم وہاں نہیں گئے کھیر بھوانی ایک ہندوؤں کا مندر ملا وہاں گئے قدیم مندر ہے دور دور سے ہندو جاتری درشن کو آتے ہیں سال میں ایک دفعہ بڑی جاترہ ہوتی ہے ہم اندر داخل ہوگئے ہم کو کسی نے روکا نہیں اور نہ کسی نے پوچھا کہ تم کون ہو۔

مندر کھیر بھوانی

منظر بہت اچھا ہے چاروں طرف لمبے لمبے درخت ہیں ایک پوجاری برہمن نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ ناریل اور پھول چڑھانے کے لئے لاؤں میں نے کہا نہیں وہ برہمن ہمارے ساتھ ہو گیا ہر ایک چیز بتاتا گیا۔ بہت بڑا باغ ہے بیچ میں ایک حوض ہے اس کے سامنے مندر ہے اس حوض کے اندر ایک چشمہ ہے ہر وقت پانی ابلتا رہتا ہے ہزاروں پھول پانی پر پڑے تھے جو پوجا کرکے ڈال دئیے جاتے ہیں۔ گھڑوں میں دودھ لالاکر اسی حوض میں ڈالتے ہیں گویا کھیر پکی اس قدر غلیظ و کثیف چیز کو تبرکاً ہندو پیتے ہیں اس قدر عفونت تھی کہ ناک نہیں دی جاتی تھی۔ اسی مندر کے علاقہ میں ایک دھرم سالہ بھی ہے جس میں مسافر جو دور دور سے آتے قیام کرتے ہیں مندر کے باہر اناج اور مٹھائی کی دوکانیں ہیں ایک عام لوگوں کی نہانے کی جگہ ہے اور ایک جانب خاص مہاراج اور رانیوں کے نہانے کی جگہ بنی ہے۔ بعد اشنان کرنے کے پوجا کرنے کیلئے مندر میں جاتے ہیں۔ وہاں کا برہمن لے جو ہمارے ساتھ تھا۔ ہر چیز کی کیفیت بتلاتا جاتا تھا ایک روایت بیان کی کہ بھوانی دیوتا راون کے گھر رہتی تھی اور راجہ چندرجی نے جب راون کو شکست دی اور سیتاجی کو لے کر آئے تو بھوانی جی بھی بن کر آ گئی ہیں وہاں سے شام کے سات بجے اپنے ہوس بوٹ میں آئی واضح ہو کہ ہندوں کے ہاں لاکھوں مرد عورت دیوتا اور دیوتائین ہیں ان میں عورت دیوتائین تین بہت مشہور ہیں کالی دیبی اور بھوانی خصوصاً بنگالی ہندو ان کو بہت مانتے ہیں۔ چنانچہ کلکتہ میں کالی گھاٹ بھاگ رتی دریا کے کنارے کالی کا بڑا مندر ہے وہیں پوجا بڑی دھوم سے کرتے ہیں جس کو دسہرہ کہتے ہیں کلکتہ میں ایک محلہ بھوانی پور کے

نام سے مشہور ہے حتیٰ کہ مردوں کے ناموں میں بھی ان کو دخل ہے کالی داس - دیبی داس - بھوانی داس -

پرانی عمارتیں گاندربل کی اور چشمہ

ایک دن چار بجے میں اور نظام الدین صاحب کی لڑکیاں اور ان کی بی بی ہم سب مل کر ہوا خوری کو نکلے ہر روز کوئی نہ کوئی میرے پاس آجاتا تھا سب مل کر ہوا خوری کو جایا کرتے تھے آج ایک پہاڑ پر گئے یہ پہاڑ پر چڑھنے کے بعد ایک چشمہ ملا اس کے سامنے زمین سے کھلا ہوا مقام ہے اس کے اوپر ہم چڑھے - اور ایک چشمہ ملا جو نالے کیطرح پہاڑ کے چاروں طرف بہ رہا تھا اس کے اوپر چڑھے تو پھر اس طرف چشمہ ہے اور زمین ہے درخت ہیں چشمہ پہاڑ کے چاروں طرف نالہ کی طرح بہ رہا ہے سن سن کرتا ہوا زوروں میں پانی جا رہا ہے ہر ایک نالے پر ایک لکڑی کی ناٹ ڈالدی ہے جو ادھر سے اُوپر دوسرے پہاڑ پر گزرنے کے لئے پل بن گیا ہے اگر پاؤں پھسلا تو نالے کے اندر یہ نالہ پہاڑوں سے ہوتا ہوا نیچے جاتا ہے اور میلوں دہان کے کھیت کو سیراب کرتا ہے -

یہاں اور سری نگر وغیرہ میں پہاڑوں پر مکانات کا بنانا بہت آسان ہے کیونکہ ہر ایک پہاڑ پر چشمہ جاری ہے اور درخت موجود ہیں لکڑی کاٹ کر مکانات کو لگاتے ہیں - اور پتھر بھی موجود ہے مٹی بھی موجود کیونکہ یہاں کے پہاڑوں پر مٹی بھی ہوتی ہے مٹی کھود کر لیلو درخت کاٹ کر لکڑی لے لو پانی چشمہ سے ہر طرح کا آرام ہے کھیت کرو ترکاری بوؤ اسی لئے یہاں پہاڑوں پر بستی ہوتی ہے ہمارے طرف پہاڑوں پر مکانات بنانا سخت مشکل ہے کیونکہ پانی نہیں ملتا اور نہ لکڑی ایسی عمدہ ملتی ہے جو پہاڑ پر درخت کاٹ کر لگائے جائیں اور پہاڑ اکثر پتھر کے

ہوتے ہیں - مٹی بھی نہیں مل سکتی اور نہ درخت وغیرہ لگا سکتے ہیں -

۱۹ / اگست صبح کو وٹہل راؤ اور مسز راج کمار میرے ہاں آئیں مجھے ہمراہ لے کر ایک پل دکھانے گئیں ، اسکو سپنشن برج کہتے ہیں یعنی معلق لٹکتا ہوا گاندربل سے گھنٹہ بھر کا راستہ ہے اس پل کو پایہ نہیں ہے اسپرنگ کا پل ہے دریائے سندھ پر یہ پل ہے لوہے سے باندھ دیا گیا ہے یہ پل ہلانے سے ہلتا ہے بہت لمبا پل ہے اس پر سے موٹر لے جانا منع ہے لیکن وٹہل راؤ کا ڈرائیور پل پر سے موٹر لے کر گیا ایک آدمی نے آکر کہا اسپر سے موٹر نہیں چل سکتی ہے پل کے اوپر لکھا ہوا ہے مسٹر وٹہل راؤ نے یہاں بھی سب کا گروپ لیا یہ مقام اور پل نہایت خوبصورت ہے قابل دید ہے گیارہ بجے واپس آئے - دو بجے میں اور نظام الدین صاحب کی لڑکیاں یہاں کی پرانی عمارتیں دیکھنے گئے تحصیل کی کچہری انہیں مکانات کے قریب ہے جہاں نورجہاں کے وقت کی ایک مسجد ہے اور ایک حمام ہے حمام میں ایک حوض بھی ہے دیواروں پر اس وقت کا رنگ ابتک باقی ہے عمارت گر گئی ہے جو حصہ باقی ہے وہ ابتک اس کی گچ پتھر کی طرح مضبوط ہے مسجد کا نام مسجد آخونکا ہے ۹۸۵ھ سن لکھا ہوا ہے اس کے نیچے ملا شاہی باغ تھا جو چار سو ایکڑ میں تیار ہوا تھا جہانگیر نے بنوایا تھا اس وقت کا عجب نظارہ ہوگا - اب تو میدان پڑا ہوا ہے اور کچھ کھیت ہیں - ملا شاہ حضرت میاں میر کے جن کا مزار لاہور میں ہے مرید تھے اور شاعر بھی تھے جہانگیر ملا شاہ کا معتقد تھا اس لئے ان کے نام سے یہ باغ مشہور کیا گیا تھا -

مزار سید شاہ محمود رحمۃ اللہ علیہ

ایک گاؤں میں متصل گاندربل سید شاہ صفی الدین صاحب رہتے

ہیں انھوں نے چودہ اسکولی لڑکے اور لڑکیوں کے مختلف مقامات پر قائم کئے ہیں ۔ ہماری دعوت کی تھی ہم جب گئے پہلے چا پلائی اس کے بعد کھانا کھلایا ۔ ایک پن چکی انھوں نے آٹے کی لگائی ہے جو پانی کے ذریعہ چلتی ہے ان کے دادا سید شاہ محمود کا مزار ہے جو مٹی کا بنا ہوا ہے نہ اس میں صفائی ہے اور نہ ستھرائی یہاں کے مزار سب مٹی کے ہوتے ہیں پتھر یا چونا اینٹ سے نہیں بنائے جاتے یہ لوگ کہتے ہیں ہمارے مذہب میں منع ہے ایک گانے والے کو بلایا تھا اس نے نہایت اچھا گانا گایا ان کی غزلوں میں فارسی الفاظ بہت ہوتے ہیں مشک کا ایک نافہ جیسیں مشک بھرا ہوا تھا بیرسٹر صاحب کو تحفہ دیا انھوں نے کہا ان کے دادا سید شاہ محمود کا جب عرس ہوتا ہے اس کے قریب جو نالہ جاتا ہے اس میں کے پانی کو مٹی کے برتن میں رکھ کر جلاتے ہیں تیل کی طرح جلتا ہے اسی نالہ کے پانی سے پن چکی چلتی ہے ہم لوگوں کو شاہ صاحب نے اپنے دادا کے مزار کی جو ان کے سکونتی مکان سے ملحق ہے زیارت کروائی ۔

گاندربل سے سری نگر کو روانگی

چند روز سے خوب زور کی بارش ہو رہی تھی لکڑیوں کی منڈی جو دریا کے کنارے ہے اس میں سے بڑی بڑی موٹی موٹی ناٹیں بہہ کر چلی آ رہی تھیں یہ عجب تماشا تھا لوگ اس کو پکڑ رہے تھے بارش جب ہوتی ہے تو پانی جو دریا میں گرتا ہے تو موتی کی طرح چمکتا ہے اور یہاں کے دریا کے اندر سے لکڑی نکالی جاتی ہے جال ڈال کر جس طرح مچھلیاں پکڑتے ہیں اسی طرح لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دریا سے نکال کر کشتیوں میں بھرتے ہیں اور اس کو فروخت کرتے ہیں یہ لکڑی جاڑوں میں کام آتی ہے اس کو جلاتے بھی ہیں اس کا کوئلہ بنایا جاتا ہے جو

کانگڑی میں جلایا جاتا ہے جب یہ لوگ دریا سے لکڑی نکالتے ہیں اس میں مچھلیاں بھی آ جاتی ہیں میں حیران تھی کہ لکڑی تو پانی کے اندر ڈوبتی نہیں پھر یہ لکڑی کیونکر دریا کی تہ میں جمتی ہے اور کہاں سے اس قدر لکڑی پانی میں آ جاتی ہے معلوم ہوا کہ کشمیر میں لکڑی کے جنگل بہت ہیں درختوں کے اوپر کے موٹی موٹی چھال نکل کر پانی میں آ جاتی ہے چونکہ سوکھی ہوئی نہیں ہوتی اس لئے پانی میں ڈوب جاتی ہے سری نگر میں یا گاندربل وغیرہ میں جب بارش ہوتی ہے تو سردی ہونے لگتی ہے بارش نہ بھی ہو اگر ابر آ جائے تو سردی ہو جاتی ہے ابر جب آتا ہے تو پہاڑوں کے نیچے دکھائی دیتا ہے پہاڑ اوپر ہوتے ہیں سردی و بارش سے میری طبیعت گھبرا گئی تھی باہر نکل بھی نہیں سکتے کیونکہ یہاں کی مٹی ریگڑ کی ہوتی ہے بارش ہوتے ہی آدمی چل نہیں سکتا پیر زمین کے اندر دھنسا جاتا ہے کیچڑ ہی کیچڑ ہو جاتی ہے میں نے بیرسٹر صاحب سے کہا کہ اب سری نگر چلنا چاہیئے مسلسل بارش ہو رہی ہے ۔

۲۹ اگسٹ کو بارش نہیں ہوئی ابر کھل گیا میں نے سری نگر جانے کا قصد کیا تحصیلدار صاحب بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے میں نے ان سے کہا آپ کی کچہری کے متصل نور جہاں کی مسجد و حمام وغیرہ جو قدیم زمانہ کی یادگار رہیں ہیں، اُن کو آباد کروائیے اس کی مرمت کروائیے ورنہ وہ مٹ جائیں گی اگر راجہ صاحب روپیہ نہ دیں تو آپ لوگوں سے چندہ کر کے مسجد کی مرمت کروائیے انھوں نے جواب دیا کہ یہاں کا راجہ ہندو ہے اس کو مسجد کی تعمیر سے کچھ غرض نہیں اور ہم چندہ کر کے مرمت نہیں کر سکتے جبتک کہ مہاراجہ کی اجازت نہ ہو میں نے کہا ایک اسکول لڑکیوں کا یہاں قائم کیجئے ۔ تاکہ عورتوں کو علم حاصل ہو انھوں نے کہا میں نے اس کے لئے کوشش کی اور اجازت بھی منگائی لیکن گاندربل کے لوگ

رضامند نہیں ہوتے۔ ہندو مسلمان دونوں بھی نہیں چاہتے کہ لڑکیاں تعلیم پاویں۔ اور پڑھانے والی اُستانی بھی نہیں ملتی تحصیلدار صاحب ترکاری و میوہ وغیرہ ہمارے لئے لائے تھے دراصل انھوں نے ہم کو ہر طرح آرام دیا۔ ان کا نام مرزا نجم الدین ہے۔

۳۔ اگست کو صبح کے نو بجے ہمارا ہوس بوٹ گاندربل سے روانہ ہوا خدا کا شکر ہے کہ ایک مہینہ نہایت آرام وخوشی سے گزر گیا دن عید رات شب برات تھی ہم سب کی صحت بہت اچھی رہی اور ہمارا وقت خوشی سے گزرا بارہ بجے شادی پور پہنچے یہاں کھانا کھایا ابر برابر تمام راستہ رہا ایک مقام پر راستہ میں ہوس بوٹ ٹھہر گیا چونکہ بارش ہو رہی تھی۔ اور ہوس بوٹ نہیں چل سکتا تھا بالکل جنگل میں ہمارا ہوس بوٹ ٹھہرایا گیا ملاحوں نے کہا بارش ہونے والی ہے پانی کا زور ہے اب ہوس بوٹ آگے جا نہیں سکتا ہم نے رات کو وہیں قیام کیا صبح کے پانچ بجے ہوس بوٹ روانہ ہوا کبھی بارش ہوتی تھی کبھی موقوف ہوتی تھی۔ پانی کا زور بہت تھا۔ ملاحوں کو سخت تکلیف ہوئی۔ بارش تو زور سے اس طرف ہو رہی تھی دریا کے پانی کا بہت زور تھا ایک سرا کے کنارے ہمارا ہوس بوٹ ٹھہرایا گیا۔ ہم اس سرا میں گئے۔ یہاں لداخ کا سامان فروخت ہوتا ہے اور چیزیں سستی ملتی ہیں۔ لداخ کے نمدے۔ اور کمبل اور ہر قسم کے چھوٹے شطرنجیاں وغیرہ یہاں ملتی ہیں۔ ہم نے ۲ نمدے اور ایک شطرنجی خریدی وہاں سے ہم سری نگر پہنچے بارش بہت زور سے ہو رہی تھی ہم ہوس بوٹ سے باہر نکل نہیں سکے یکم ستمبر کو ہم سری نگر پہونچے۔

سری نگر میں طغیانی

۲ ستمبر۔ صبح کو چھ بجے میں بیدار ہو کر کھانے کے کمرے میں گئی دیکھا۔ بارش بہت ہو رہی ہے اور ہمارا ہوس بوٹ جو دیوار کے کنارے لگا ہوا تھا جہاں سے سر ایلبین کا مکان نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اب دیوار کے برابر ہو گیا ہے۔ اور سر ایلبین کا مکان سامنے نظر آ رہا ہے یہ دیکھ کر میں نے اپنے آدمی سے کہا کہ کیا ہوس بوٹ پہلی جگہ سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اس نے کہا نہیں بیگم صاحب ہٹایا نہیں ہے۔ ندی کا پانی بہت آ گیا ہے گھاٹ کی سیڑھیاں ڈوبی جا رہی ہیں۔ دیکھئے بارش کا کیا عالم ہے سب لوگ پریشان ہیں۔ ملاحوں کے ہوش گم ہیں۔ ہوس بوٹ کا مالک ڈر رہا ہے کہ کہیں ہوس بوٹ ٹوٹ نہ جائے۔ سر ایلبین بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے کہا طغیانی سخت آنے والی ہے اسلام آباد سے پانی آ رہا ہے خدا جانے کیا ہونے والا ہے اگر آپ لوگوں کو ہوس بوٹ میں تکلیف ہو تو ہمارے مکان میں چلے آئیے ہمارا مکان حاضر ہے۔ سیکڑوں موٹریں ہیں کہ سڑک پر سے گذر رہی ہیں۔ لوگ اپنا اپنا سامان موٹروں میں رکھ کر سڑک پر سے گذر رہے ہیں۔ یہ لوگ پریشان خاطر حواس باختہ نہایت تیزی سے لاہور یا پنڈی جا رہے ہیں ایک کے پیچھے ایک موٹر چلی جا رہی ہے لوگوں کے چہروں سے پریشانی ظاہر ہے نیڈو کا ہوٹل تمام خالی ہو گیا سیکڑوں آدمی ہوٹل میں رہتے تھے نکل گئے۔ سنا گیا ہے کہ جو لوگ یہاں سے بھاگ کر لاہور جانے والے تھے۔ وہ راستہ میں ٹھہر گئے ان کو آگے جانے کے لئے راستہ ملا ہی نہیں تمام پانی ہی پانی تھا موٹر چل نہیں سکتی تھی۔ دراصل دریا کا پانی چڑھتا گیا۔ ہمارے بوٹ کے سامنے جو سیڑھیاں ہیں جہاں سے ہم میوزیم میں جاتے تھے وہ سب پانی کے اندر غرق ہوتی جا رہی

تھیں۔ بارش کسی طرح موقوف ہی نہیں ہوتی۔

۲ ستمبر۔ آج صبح کو دھوپ نکل آئی اور بارش موقوف ہوئی ہر شخص خوش ہو گیا کہ اب طغیانی نہیں آئے گی۔ لیکن لوگوں نے اناج لکڑی گھی وغیرہ سب خرید کر اپنے گھروں میں اور ہوس بوٹوں میں رکھ لیا۔ ہم کو تکلیف نہ ہو حیدرآباد وغیرہ سے بہت سے خطوط آئے تھے اور اخبارات آ گئے۔ اخبار مشیر دکن۔ رہبر دکن۔ رعیت وغیرہ میں پڑھتی رہی اور جواب خطوط کے لکھے۔ سید شاہ جلالی صاحب اپنی گاڑی لے کر آئے۔ بیرسٹر صاحب سے کہا طغیانی آنے والی ہے آپ لوگ ہوس بوٹ میں گھبرائیں گے ہمارا مکان دریا سے بہت دور ہے ہمارے ہاں چلئے بیرسٹر صاحب نے کہا آپ چاہ پیجئے بیٹھئے۔ میں نے چاء بھجوائی یہ لوگ چائے پینے بیٹھے تھے اور حیدر علی مرزا سیر کے لئے باہر گئے ہوئے تھے سر ابلین نے آدمی پر آدمی بھیجا کہ ہم لوگ ان کے مکان میں چلے آئیں جب ہم کو جانے میں دیر ہوئی تو انھوں نے اپنے داماد کو بھیجا انھوں نے آکر کہا جلدی چلئے طغیانی شدت سے آرہی ہے تمام سڑکوں پر پانی آگیا ہے۔ ہمارے ہوس بوٹ سے سر ابلین کے مکان میں جانے کے لئے بیچ میں سڑک تھی اور کوئی سو گز کے فاصلہ پر انکا مکان تھا اب پانی کی وجہ سے ہمارا ہوس بوٹ سڑک کے اوپر چلا گیا صرف ایک کشتی بیچ میں رکھی گئی اس کے اوپر سے گزر کر ہم سر ابلین کے مکان میں پہنچ گئے جلالی صاحب کا شکریہ ادا کر کے رخصت کیا سر ابلین کے مکان کی دیوار توڑ کر پانی اندر آگیا۔ اس کی آواز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ریل چل رہی ہے ٹینس کورٹ کے اندر پانی بھر گیا پولیس کے جوان اور فوجی سپاہی اور افسر آکر انتظام کو ٹھہرے تھے ان لوگوں نے اپنا ڈریس اتار دیا ٹوکرے گبل پھاوڑے ہاتھ میں لیکر مٹی کھود کر پانی روکنے کے لئے دیوار بناتے جاتے تھے سر ابلین کی بیٹی مسز دتا بہت گھبرا رہی

تھیں سر ابلین کو اس مکان سے نکل کر دوسرے مکان میں جا سکتے تھے وزیر ہیں ان کو کیا کمی لیکن وہ نہیں گئے۔ ان کے مکان کو چاروں طرف پانی نے گھیر لیا سڑکوں پر پانی میدان میں پانی غرض تمام کشمیر پانی ہی پانی ہو گیا ہمارا ہوس بوٹ تو سڑک پر آکر کھڑا ہو گیا کیونکہ سڑک تک پانی تھا کوئی آدمی بازار نہیں جا سکتا تھا تمام سڑکوں پر پانی دریا میں کوئی کشتی یا شکارا یا ہوس بوٹ نہیں چل سکتا پہلے پل کے خانے بند ہو گئے تھے پل کے اندر سے کوئی جا سکتا نہ اوپر سے کوئی جا سکتا تھا عجب حشر کا میدان تھا بارش تو موقوف تھی لیکن دریا چڑھاؤ پر تھا ہوس بوٹ جن درختوں سے بندھے ہوئے تھے پانی نیچے سے بڑھنے کی وجہ سے ہوس بوٹ درخت کی شاخوں تک پہنچ گئے تھے شاخیں کاٹ کاٹ کر رسیوں سے ہوس بوٹ باندھے جا رہے تھے بہت سے دیہات غرق آب ہو گئے لیکن جانوں کا نقصان نہیں ہوا چونکہ طغیانی دن کے وقت آئی تھی لوگ ہوشیار ہو گئے مگر بے انتہا گھبرا رہے تھے جن کے گھر دریا کے کنارے تھے انھوں نے پہاڑوں پر جا جا کر پناہ لی۔ طغیانی جب ختم ہوئی اس کے چند روز بعد جب ہم ایک دوسرے سے ملے اپنے اپنے حالات بیان کئے یہاں اس لئے لکھتی ہوں کہ طغیانی کے حالات ایک ہی جگہ رہیں۔

مس بھگوتی چرن نے اپنا قصہ یوں بیان کیا جب طغیانی آئی ہم لوگ گاندربل میں تھے مکان سے نکل کر ڈاک خانہ میں گئے ڈاک خانہ والوں نے کہا ہم خود بھاگ رہے ہیں۔ تم لوگ پہاڑوں پر جاؤ ہمارے ہاتھ میں کپڑے ہماری بھاوج کی گود میں بچہ۔ اور نوکر جو ہمارے پاس تھا اس کے گھر میں گئے اُس نے کہا میں خود بھاگ کر پہاڑ پر جا رہا ہوں آپ لوگ بھی پہاڑ پر چلئے۔ ہم سب مل کر پہاڑ پر گئے بے آب و دانہ دو دن بیٹھے رہے۔ مسز وٹھل راؤ نے اپنی سرگذشت مجھ کو یوں سنائی کہ

ہم لوگ سون مرگ کو گئے تھے وہاں سے جس دن گاندربل واپس آئے تو یک بیک طغیانی آگئی۔ ہمارے ہوس بوٹ میں کھانے کا کچھ سامان نہیں تھا۔ چار بچے اور آٹھ دس آدمی کھانے والے اور کھانے کو کچھ نہیں بازار والے بھاگ گئے تمام سڑکوں پر پانی دوکانوں میں پانی چونکہ ندی کے قریب لکڑی کی منڈی تھی وہاں سے لکڑی کی ناٹیں بہہ بہہ کر آرہی تھیں اور ہوس بوٹ کو زور زور سے مار رہی تھیں اوپر سے درخت کی شاخیں ہوس بوٹ کو مار رہی تھیں بچے بھوک سے تڑپ رہے تھے ہوس بوٹ سے باورچی خانہ کے ڈونگے تک آدمی نہیں جا سکتا تھا ہمارا نوکر کچھ کھانا لانے کے لئے باورچی خانہ کے ڈونگے میں جانے کے لئے اُترا تو پانی کے زور سے وہ ندی میں گر پڑا خدا کی مہربانی کہ اُس نے درخت کو پکڑ لیا اور بچ گیا۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم کو کسی طرح کی تکلیف نہیں پہونچی۔ ہمارا ہوس بوٹ اپنے مقام پر تھا جہاں نہ لکڑی کی منڈی تھی نہ درخت تھے جو کہ ہوس بوٹ کو صدمہ پہنچاتے اور ہمارے ہوس بوٹ کے سامنے سر البین کا مکان ہونے کی وجہ سے تمام رات فوجی پہرہ اور پولیس کے جوان کھڑے کے کھڑے رہے۔ جب طغیانی آئی تھی۔ ہم لوگ تھوڑی دیر کے لئے سر البین کے مکان میں گئے تھے۔ سر البین نے ہمسے کہا تھا کہ اگر ہمارے مکان کے اندر پانی آجائے گا تو ہم آپ کے ہوس بوٹ میں چلے آئیں گے کیونکہ ہوس بوٹ ڈوبتا نہیں۔ مکانات کو گرنے کا خوف ہوتا ہے اور ہوس بوٹ کو صدمہ نہیں پہونچتا۔ ہم جس باغ کی سیر کو جایا کرتے تھے وہاں کشتیوں میں بیٹھ کر ہوا خوری کرنے لگے۔ طغیانی تین دن تک رہی۔ اس کے بعد پانی جب کم ہوا تو لوگ سڑکوں پر کشتیوں میں بیٹھ کر بازار گئے اور سودا خرید کر لائے۔ ورنہ تین دن تک کوئی بازار نہیں جا سکا۔ عجب پریشانی تھی۔ ہم لوگ چار بجے سے سات بجے تک سر البین کے مکان میں تھے۔ سات بجے اپنے ہوس بوٹ میں آکر کھانا کھا کر سو گئے آج

ہمارے ہوس بوٹ کے سامنے بجلی کے گولے لگے ہوئے تھے پہرے والے اور پولیس کے جوان تمام رات پہرا دیتے رہے۔

۴ر ستمبر۔ آج بھی پانی ندی میں چڑھ رہا تھا۔ سر البین کے مکان میں یعنے ایوان وزارت میں تمام دن فوجی سپاہی اور پولیس کے کانسٹبل برابر پہرے پر تھے آج بھی سارا شہر مضطرب و پریشان تھا۔ سر البین ان کی لڑکی اور داماد یعنی مسٹر اور مسز دتا سر البین کی بھانجی اور بھانجی داماد یعنی کپٹن اور مسز رکیہ اور خود سر البین ہمارے ہوس بوٹ میں تھوڑی دیر ٹھہرے اس کے بعد ہم لوگوں کو ساتھ لیتے ہوئے یہ لوگ ایوان وزارت میں گئے ہم لوگوں نے وہیں چاء پی ہمارے ہوس بوٹ کے سامنے ایوان وزارت ہے حیدر میاں جو تین بجے سے ہوا خوری کو گئے تھے شام کے سات بجے ہوس بوٹ میں آئے۔ جب تک حیدر علی آئے نہیں۔ ہم لوگ بہت پریشان رہے ہمارے ہوس بوٹ کے سامنے پہلا پل ہے جسے امیرا کدل کہتے ہیں جسمیں سات خانے ہیں جن کے نیچے سے بڑے بڑے ہوس بوٹ آتے جاتے ہیں۔ اب ایک شکارہ تک کسی خانہ کے نیچے سے گزر نہیں سکتا پانی اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ قریب تھا کہ پل کے اُوپر سے جائے۔ کنارہ تک تو پہونچ چکا تھا اسلام آباد کی طرف پانی بتیس فٹ اونچا ہو گیا۔ اور جہاں ہمارا ہوس بوٹ تھا بند کے کنارے تک پانی پہونچ گیا تھا۔ سطح آب سے بند بارہ تیرہ فٹ بلند ہے۔ کئی میل تک دونوں جانب پختہ بند بنائے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر بند کے اُوپر سے پانی جا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے رات کے بارہ بجے پانی کو قرار آیا۔ ہمنے دو تین راتوں کو برابر دو ملاح زیادہ رکھ لئے تھے صرف بخیال احتیاط۔ دو تین لاشیں ہمارے ہوس بوٹ کے سامنے سے بہتی ہوئی گئیں بعض آدمی جو کنارے پر تھے۔ شاید دریا میں بہہ گئے ہونگے یہ سب دیکھ رہی تھی لیکن میں پریشان نہیں ہوئی دوسروں کی پریشانی دیکھ کر دعا

کرتی تھی کہ خدایا ان کی پریشانی دور کر۔

۹ ستمبر۔ صبح کو ندی کا پانی اتر گیا۔ ہم لوگ شکارے میں بیٹھکر ہواخوری کو نکلے جہاں خشکی تھی وہاں پانی ہی پانی تھا۔ کشتیاں چل رہی تھیں۔ میوزیم باغ کے سیب اور بہی کے درخت پانی میں غرق ہوگئے تھے ان کے سروں کے اوپر پانی تھا نواب مولا بخش صاحب کی کوٹھی میں پانی بھر گیا۔ میز کرسیاں سب کشتیوں کی طرح تیرنے لگیں۔ ہزاروں کا نقصان ہوا۔ وہاں سے آکر میں نے اخروٹ کی لوزیں اور بہی اور سیب کا مربہ بنایا بیرسٹر صاحب کے پاس صبح سے شام تک لوگ آتے ہیں۔ کہ مسز ایلبین سے سفارش کرو آج ہمارے نوکر کشتیوں میں بیٹھ کر بازار گئے آج دوکانیں کھلی ہیں۔ بازار کھل گیا۔ لیکن سڑکوں پر پانی ہے گھٹنے برابر پانی پر سے لوگ چل رہے ہیں۔ دواخانہ کے اندر پانی آگیا۔ بیماروں کو سخت تکلیف ہوئی دو دو گز دیوار پانی کے اندر تھی۔ دوسری منزل پر بیماروں کو رکھا گیا تھا۔ پریڈ گرونڈ پر پانی ہی پانی تھا یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہاں کبھی خشکی بھی تھی۔ حیدر علی مرزا دو بجے سے ہواخوری کو گئے تو رات کے آٹھ بجے واپس آئے۔ آج عصمت کا پرچہ آیا اس میں میری غزل اور مضمون درج ہے ہمشیرۂ نواب منظور جنگ کا خط برابر آتا ہے۔ مسز عبدالقیوم صاحب کا خط آیا میں نے بہت سے خط لکھے۔

نشاط باغ

۱۱ ستمبر کو میں مسز رک کیپٹن رک صاحب سر ایلبین بنرجی بیرسٹر صاحب ہم سب نشاط باغ دیکھنے گئے شالامار باغ تو میں دیکھ چکی ہوں۔ اب نشاط باغ دیکھنا باقی تھا۔ سری نگر سے نشاط باغ سات میل کے فاصلہ پر ہے کشتی کے ذریعہ بھی جاتے ہیں۔ بلکہ سیر کا اصلی لطف کشتی کے ذریعہ ہی ہے خشکی کے ذریعہ یہ راہ ڈیڑھ گھنٹہ کی ہے اور پانی کے ذریعہ چار گھنٹہ

کا راستہ باغ کے اندر داخل ہونے کے لئے ایک بڑا دروازہ ہے۔ چند سیڑھیاں طے کرنے کے بعد ایک چبوترا آتا ہے جس پر عالیشان عمارت بارہ دری بنی ہوئی ہے۔ جس کے سامنے بڑا حوض ہے نیچے آبشار ہے۔ اس باغ کے چار تختے ہیں جو ایک دوسرے سے بلندی پر درجہ بدرجہ اونچا ہے آخری طبقہ سب سے اونچا ہے ہر طبقہ میں الگ الگ قسم کے پھول ہیں اور فوارے اور آبشار ہیں۔ آخری درجہ عین دامن کوہ میں ہے جہاں ایک چھوٹا سا مکان بھی ہے پانی کی نہر پہاڑوں سے آکر اسی مکان کے نیچے سے ہوتی ہوئی باغ کے تمام تختوں کو سیراب کرتی ہوئی پہلے تختہ کی بارہ دری کے آبشار کے ذریعہ ڈل میں داخل ہوتی ہے آخری طبقہ کے مکان پر جو پہاڑ کی قدرتی دیوار سے متصل ہے کھڑے ہو کر اگر چاروں طرف نظر دوڑائیں تو عجب کیفیت نظر آتی ہے۔ شعر

نشاط ہفت منزل سے نظر آتا ہے ڈل ایسا   سمندر کو کراچی میں کسی نے گویا جا دیکھا

باغ میں چنار کے درخت جہانگیر کے لگائے ہوئے اب تک موجود ہیں اور ہر ایک قسم کے میوہ کے درخت ہیں۔ ہر اتوار کے دن تمام فوارے کھلے رہتے ہیں۔ ہر ایک کیاری پھولوں سے لدی ہوئی تھی ہر ایک چمن میں رنگ رنگ پھول لگے تھے اکثر آدمی یہاں آکر دعوتیں کرتے ہیں۔ جلسہ پارٹیاں کرتے ہیں۔ مہارانی صاحبہ کشمیر بھی گارڈن پارٹی وغیرہ یہاں کیا کرتی ہیں۔ بیساکھ کی کسی تاریخ عام ہندو اور پنڈت میلہ بھی لگایا کرتے ہیں۔ اس دن یہ لوگ گنگام کے چشمہ میں اشنان کرکے سارا دن نشاط میں سیر و تفریح میں گزار دیتے ہیں۔ یہ باغ ابتداءً میں آصف خاں وزیر اعظم و خسر شہنشاہ شاہجہاں برادر نورجہاں کا تیار کردہ ہے شاہجہاں کو نذر دیا ان باغوں کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قلم سے اظہار نہیں ہو سکتا۔ ہم سب نے سیر کی اُدھر اُدھر چمن میں ٹہل پھر کر واپس آئے۔

سلک فیاکٹری

۱۲۔ستمبر رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب کا انتقال لندن میں ہوگیا ہے۔ یہ خبر سن کر مجھے بہت رنج ہوا بہت اچھے آدمی تھے۔ لندن میں قبرستان مسلمانوں کے لئے بنوایا تھا۔ مسجد بنوائی مجھ سے بھی چندہ طلب کیا میں نے بھی چندہ دیا اور لوگوں سے بھی لیکر بھجوایا تھا اخبار و نمیں وفات کی خبر شائع ہوئی اسپرٹ آف اسلام انھوں نے جو کتاب لکھی ہے مسلمانوں کے حق میں بہت مفید ہے۔ اسلام کی بہت خدمت کی محمود الحسن صاحب زیدی اڈیٹر رسالہ ظل السلطان کا خط آیا ہے کہ مضمون بھیجو۔ اور ایک خط لاہور سے نصیر الدین ہمایون صاحب۔ سکرٹیری قومی کتب خانہ کا آیا لکھا ہے کہ مضمون بھیجو۔ آج ایک مضمون لکھکر نصیر الدین ہمایون صاحب کے پاس لاہور بھجوا دیا۔ جنرل سر افسر الملک کا خط آیا ہے لکھا ہے میں حضور کے ہمراہ گیا تھا اس لئے خط کے جواب میں دیر ہوئی آپ کو کشمیر کی ہوا سے بہت فائدہ ہوگا۔ یہاں ایک ہندو نے سلک فیاکٹری قایم کی ہے۔ جہاں ریشم کے تھان بنائے جاتے ہیں رنگے بھی جاتے ہیں جب میں گئی تو ریشم کے تھان تیار ہو رہے تھے۔ اور رنگے بھی جا رہے تھے۔ ایک طرف ریشم کے تھان دہل رہے تھے یہاں تیار کرکے اس کے بعد دھوتے ہیں۔ پھر رنگتے ہیں۔ فی تھان۔ للعہ کو عہ، کو ملتا ہے یہ کارخانہ چھوٹا سا ہے۔ وہاں سے میں زنانہ مشن اسکول میں گئی یہاں پانچ استانیاں مسلمان ہیں اور سو لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ پانچ جماعت ہے ایک عیسائی عورت صدر ہے۔ اور چار مسلمان کشمیری عورتیں ہیں۔ ایک منتظمہ عیسائی ہے اور اردو انگریزی تعلیم دی جاتی ہے۔ مسلمان لڑکیوں کے اور بھی اسکول ہیں لیکن مشن کے اسکول زیادہ ہیں۔ وہی کام کرتے ہیں۔

دعوتیں اور متفرق حالات

۱۳۔ستمبر۔ آج میں نے چند اپنے دوستوں کو چاء پر بلایا تھا۔ اور بیرسٹر صاحب کے دوست بھی مدعو تھے میں نے آج کی دعوت کا یہ انتظام کیا تھا کہ سب چیز گھر میں بنوائی اپنے سامنے چاء کے لئے کل چیزیں تیار کروائیں۔

نواب مولا بخش صاحب کی لڑکی عصمت النساء بیگم اور مولوی ممتاز علی صاحب کی بہو بیگم حمید علی صاحب۔ مسز واٹلے ڈاکٹر عبد الواحد صاحب کی بی بی سر البین صاحب کی بھانجی۔ مسز رک کیپٹن رک حمید علی صاحب بیرسٹر ممتاز علی صاحب سر البین رائے بہادر گردہاری لعل سب نے چاء پی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد میں مسز حمید علی صاحب کے ساتھ موٹر پر سوار ہوکر زنانہ باغ کو گئی یہاں ایک زنانہ باغ ہے۔ اس باغ میں صرف عورتیں جایا کرتی ہیں مرد نہیں جاتے۔ یہاں مردانہ کلب بھی ہے۔ جسمیں مرد عورت سب شریک ہوتے ہیں مسلمان عورتیں شریک نہیں ہوتیں۔ پردہ کی وجہ سے۔ کشمیر میں شہد بہت عمدہ ملتا ہے۔ سفید موتی کی طرح اور شہد کی مکھیوں کا گھر سفید رہتا ہے موم اس کا مصری کے رنگ کا ہوتا ہے۔ بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے ہمارے لئے جالی صاحب نے بھیجا ہے نایاب شہد ہوتا ہے۔

بیگم عبد القیوم صاحب نے رقعہ بھیجا ہے کہ میں کل ان کے پاس چاء آؤں اور محبوب عالم صاحب نے کھانے کے لئے پرسوں بلایا ہے۔

۱۴۔ستمبر۔ یہاں ہوس بوٹ کو صاف کروانا ہوتا ہے۔ مکان کے تو جالے نکلوانا ہوتا ہے یہاں یہ ہے کہ ہوس بوٹ کے تختے نکال کر سب دھوپ میں ڈال دیے جاتے ہیں ورنہ پانی گرنے سے بو ہو جاتی ہے حمام کرنا بھی یہاں بہت مشکل ہوتا ہے۔ حمام میں ٹب رکھا ہوا ہوتا ہے اسمیں بیٹھ کر نہاؤ پانی نیچے گرنے نہ پائے۔ ورنہ ہوس بوٹ کے اندر پانی جاکر خراب ہوتا ہے

ہم لوگ تو ٹب میں نہا نہیں سکتے یورپ میں یہ آرام تھا کہ ٹب چینی کا ہوتا تھا اور نیچے اس کے پانی جانے کا راستہ ہوتا تھا اور نل لگے ہوئے تھے۔ آرام سے نہا سکتے تھے۔ یہاں سخت مشکل ہے میں ٹپ کے اندر تپائی رکھ کر یا کرسی رکھ کر نہایا کرتی ہوں۔ نظام الدین صاحب کی بی بی اور لڑکیوں نے اپنی اپنی سرگذشت بیان کی پانی کی جو طغیانی کے زمانہ میں۔ تکلیف اُٹھائی تھی انھوں نے کہا ہمارا ہوس بوٹ شادی پور میں جنگل میں تھا پانی کی وجہ سے بہت تکلیف پہونچی چار بجے مسز قیوم صاحبہ نے موٹر بھیجی ہم ان کے ہاں دعوت میں گئے۔ بہت سے لوگوں کو انھوں نے بلایا تھا۔ مسز تاج الدین و مسز تاج الدین مسٹر و اٹلے مہاراجہ کشمیر کے خاص چیفی کے منتظر ہیں۔ اچھا وقت گزرا وہاں سے واپس آئی تو معلوم ہوا ہمارے ہوس بوٹ کے بازو میں مسٹر وٹھل راؤ صاحب کا بوٹ ہوس لاکر لگایا گیا ہے۔ میں ان کے ہاں گئی ان لوگوں نے سون مرگ کے اور طغیانی کے حالات بیان کئے۔ جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔

۱۵ ستمبر۔ مہاراجہ کشمیر کے حکیم صاحب کی بی بی نے میری دعوت کی تھی۔ وہاں آج گئی اور بہت سے خطوط کے جواب لکھے۔ نذر سجاد حیدر صاحب کا خط ڈیراڈون سے آیا۔ متھرا سے چند خطوط آئے۔ محمد اسحاق صاحب آکر دعوت دیکر گئے ہیں کہ کل حضرت بل ہم لوگ چلیں۔

۱۶ ستمبر۔ آج میری طبیعت بہت سست تھی دس بجے مسز وٹھل راؤ صاحب آئیں۔ آج بہت سے خطوط و اخبارات آئے۔ چار بجے محمد اسحاق صاحب۔ موٹر لے کر آئے۔ ہم کو لیکر حضرت بل گئے۔ اس جگہ ایک بہت بڑا گنبد بنا ہوا ہے اور ایک کمرے کے اندر ایک صندوق میں حضرت رسول کا موے مبارک رکھا ہوا ہے۔ ۱۲۔ ربیع الاول کو۔ موئے مبارک دکھایا جاتا ہے اور روز جمعہ یوم معراج ۱۳۔ ربیع الاول کو بہت بڑا عرس اور میلہ

ہوتا ہے ہزاروں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ خواجہ نورالدین کشمیری تاجر کے پاس یہ موے مبارک تھا ان کا انتقال دہلی میں ہوا جہانگیر کو یہ موے مبارک ملا جہانگیر نے اجمیر شریف میں موئے مبارک بھجوا دیا کچھ دنوں کے بعد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں آئے فرمایا کہ میرا مو فوراً کشمیر میں پہونچا دے یہ خواب دیکھ کر بادشاہ نے بڑے جاہ وحشم سے موے مبارک کشمیر بھجوا دیا بڑے بڑے علما اور تمام امرائے کشمیر بڑی دور تک استقبال کو آئے فاضل خاں صوبیدار کشمیر تھا جس نے سنہ ۱۱۰۱ سے سنہ ۱۱۱۳ تک حکومت کی خواجہ نورالدین کی لاش بھی اسی موے مبارک کے ہمراہ لائی گئی۔ تاریخ یہ نکلی ” مصرعہ

کشمیر مدینہ شد از موئے نبی “ جہانگیر نے موے مبارک کے ساتھ تین گاؤں بھی وقف کر دیئے تھے۔ جو سکھوں کی حکومت تک حضرت بل کے علاقہ میں رہے۔ یہاں سے نسیم باغ کو گئے۔ یہ باغ اکبر کے وقت کا ہے بہت بڑے بڑے چنار کے درخت ہیں۔ ایک کے برابر ایک ہے۔ انگریزوں کے ڈیرے چنار کے درختوں کے نیچے لگے ہوئے ہیں۔ پرانی عمارتوں کے کچھ کچھ نشان بھی یہاں باقی ہیں۔ وہاں سے ہم اس مقام پر آئے۔ جہاں اسحاق صاحب کا مکان و باغ ہے اسی مکان میں وہ ہوٹل بنانا چاہتے ہیں یہ مکان آبادی سے بہت دور ہے اس کے قریب نہ ہوس بوٹ ہے نہ شکارا ہے جنگل میں ایک مکان کھڑا ہوا ہے وہاں سے جب واپس آئے تو دیکھا مس کرم چند اور ان کی بھاوج نظام الدین صاحب کی لڑکیاں وغیرہ آئی ہوئی ہیں۔

تخت سلیمانؑ

ہمارے ہوس بوٹ کے سامنے سے بالکل قریب تخت سلیمان

دکھائی دیتا تھا اونچا پہاڑ ہے۔ اس لئے جانا مشکل ہو رہا تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس پہاڑ پر بھی ڈانڈی میں بیٹھکر آدمی جا سکتا ہے ہمنے ڈانڈی کا بندوبست کیا پہاڑ کے دامن تک موٹر میں گئے مسز وٹھل راؤ اور مسز راج کمار حیدر علی مرزا ہم سب تخت سلیمان کے اوپر گئے۔ یہ پہاڑ درختوں سے خالی ہے چڑہائی دشوار ہے مگر رستہ صاف ہے ایک طرف پتھروں کی سیڑھیاں ہیں جو اچھی حالت میں نہیں ہیں سنا جاتا ہے کہ شاہان مغلیہ کے زمانہ کی ہیں۔ بعض قبریں اچھی حالت میں ہیں چوٹی پر پہونچتے ہی دیکھا کہ سب سے اونچائی پر پتھروں کی خوشنما کوٹھری بنی ہے جس کے قریب ایک لکڑی کی سیڑہی کے ذریعہ مندر میں جانے کا راستہ ہے ایک مختصر سا مندر ہے اس میں سوائے ہنود کے کسی کو جانے نہیں دیتے ڈیڑہ میل کی چڑہائی ہے اوپر پہنچ کر جہاں تک نظر کام کرتی ہے عجب دلکش و روح افزا نظارہ ہے یہ پہاڑ ناف شہر میں ہونے کی وجہ سے چاروں طرف کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ یہ پہاڑ کوہ ہری پربت سے بلند تر ہے جس پر اکبر کا بنایا ہوا قلعہ ہے اس لئے بہت دور دور کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ ایک جانب چشمہ شاہی پری محل ڈل ہری پربت صاف نظر آتا ہے ایک جانب دریائے جہلم کا تھوڑے فاصلہ پر سے سانپ کی طرح لہریں کھاتے ہوئے۔ بہنا اور اس دریا کی پیچ دار روانی میں دونوں جانب قطار در قطار ہزاروں ہوس بوٹوں کا کھڑا رہنا عجب لطف دکھاتا ہے ایک طرف سارا شہر عالیشان کوٹھیاں یہ سب دکھائی دیتا ہے اس پہاڑ کو کوہ شنکرا چارج بھی ہندو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک دکن کے ساحل ملا بار کا باشندہ شنکرا چارج جس نے تمام ہند میں پھر پھر کر اپنے وعظ و پند کے ذریعے بودہ مذہب اور جینی مذہب کو برباد کرنیکی کوشش کی تھی اور ان مذہبوں کی قوتیں ایک حد تک توڑیں۔ وہی شنکرا چارج

کشمیر بھی آیا تھا اس زمانہ میں یہاں بودہ مذہب کا زور تھا اس کو فنا کر کے قدیم ویدک دہرم کی اشاعت کی تھی اس وقت راجہ بھیم دیو حکمراں تھا اس کو بھی اپنا مرید یا چیلہ بنایا کہا جاتا ہے کہ شنکرا چارج اس پہاڑ پر آکر بیٹھا تھا اور اس کی یادگار میں موجودہ مندر تعمیر کیا گیا تھا درحقیقت اس پہاڑ کی چوٹی پر سے چاروں طرف کا نظارہ بے مثل ہے کسی شاعر نے یہ شعر کیا خوب کہا ہے۔

پرستاں کا تماشہ دیکھنے کو شہر کے اُوپر   بہت اُونچی جگہ تخت سلیماں کو بچھا دیکھا

وہاں کے مسلمانوں کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان پیغمبر اپنے تخت پر اُڑتے ہوئے یہاں آئے تھے اور آپ کا تخت یہاں رکھا گیا تھا اس لئے اس کو تخت سلیمان کہتے ہیں۔

حیدر علی مرزا نے تمام ہماری تصویریں لیں۔ اس مندر میں مسلمان جا نہیں سکتے ہندو جاتے ہیں۔ پوجاری اپنی پوجا کے وقت آتا ہے۔ گھنٹہ بجاتا ہے۔ پوجا کر کے جاتا ہے۔ جو لوگ کچھ دیتے ہیں اور ناریل وغیرہ چڑہاتے ہیں۔ وہ پوجاری لیتا ہے۔ میسور کے راجہ نے دیول کے اوپر بجلی کی روشنی لگائی ہے۔ جو دور سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے میلوں تک یہ روشنی نظر آتی ہے۔ جہانگیر کے وقت کی سب عمارتیں منہدم ہو گئی ہیں صرف ایک چبوترہ باقی ہے میں کبھی ڈانڈی میں بیٹھتی کبھی مسز وٹھل راؤ کو تھاتی میں پیدل چلتی غرض اس طرح راستہ گزرا مسز وٹھل راؤ وغیرہ کی وجہ سے سیر کا لطف آتا ہے ورنہ تنہا کہیں جانا مجھے پسند نہیں۔

اچھابل

۱۷۔ ستمبر۔ صبح کو ناشتہ کر کے چھ بجے ہم حیدر مرزا بیرسٹر صاحب مسٹر وٹھل راؤ مسز وٹھل راؤ حیدر آبادی مسٹر راج کمار بنگلوری دو موٹروں میں سوار ہو کر

اچھابل دیکھنے کے لئے چلے۔ سری نگر میں جو سیلاب آیا تھا راستوں میں جابجا پانی بھرا ہوا تھا۔ موٹر کے چلنے میں دقت ہوئی بعض جگہ تو موٹر چل سکتی نہیں تھی وہ راستہ چھوڑ کر ہم کو چکر کے راستہ سے جانا ہوا۔ پام پور راستہ میں ملا یہاں زعفران کے کھیت ہوتے ہیں۔ کھیت تیار ہو رہے تھے عورتیں بیٹھی زمین درست کر رہی تھیں۔ مٹی میں جو کنکر پتھر ہوتے ہیں۔ سب چن کر صاف کرتے ہیں۔ بالکل صاف اور نرم زمین کر دی جاتی ہے۔ یہ کام عورتیں کرتی ہیں۔ پھر ایک گاؤں آیا یہاں ایک بہت بڑے پہاڑ پر مندر تعمیر ہو رہا ہے۔ اس پہاڑ کے قریب بستی بھی ہے اونتی پور ایک گاؤں آیا یہاں کی زمین کے نیچے سے مندر نکلا ہے۔ ایک مندر بڑا ہے۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے مندر نکلے ہیں ہم اتر کر مندر دیکھ کر آئے بہت قدیم زمانے کے مندر ہیں وہاں کا ایک آدمی ایک کتاب لے کر آیا اس میں انگریزی میں یہ مضمون لکھا تھا۔

اونت نروت ایک راجہ تھا اس نے اپنی راج دھانی (دارالسلطنت) بنائی تھی ۸۸۳ء میں وہ حکمراں تھا۔ جو آثار قدیم زمین سے نکلے ہیں وہ پندرہ سو برس کے ہیں۔ ایک انگریز جنرل سرجان مارشل تھا اس کو معلوم ہوا تھا یہاں پرانی عمارت ہے اس نے کھدوائی شروع کی یہ عمارت نکلی اس میں سے بہت سی پرانی چیزیں نکلیں۔ وہ سب میوزیم میں رکھی گئی ہیں۔ چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی میوزم میں رکھی جاتی ہے۔ جمینہ در نے یہاں بھی ہم سب کا گروپ لیا۔ یہاں سے جاتے وقت راستہ میں ایک سنگم ملا جہاں تین ندیاں ملتی ہیں۔ وشنو ندی ہندو۔ جہلم۔ اس کے بعد اسلام آباد آیا یہ بھی اچھی جگہ ہے بستی کثیف ہے لیکن لوگ ہوس بوٹ میں رہا کرتے ہیں۔ اس کے بعد اچھابل آیا۔ یہاں نہایت خوبصورت باغ ہے اور چھ حوض ہیں۔ ان میں پندرہ فوارے ہیں۔ پہاڑوں سے پانی آ کر ایک حوض میں گرتا ہے۔ اس پر سے نیچے چادر گرتی ہے چادر گرنے کی جگہ

سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ دن رات چادر گرتی رہتی ہے ایک حوض سے دوسرے حوض اور دوسرے سے تیسرے میں اسی طرح چھٹے میں پانی گرتا ہے عجب دلکش نظارہ ہے حوض کے بیچ میں عمارت ہے چاروں طرف پانی جو اسی حوض کے دونوں طرف کمان دار عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ جو بوسیدہ ہو گئی ہیں مرمت کی ضرورت ہے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے مرمت کروائی تھی۔ اس باغ میں ایک نالہ ہے۔ جہاں ٹروٹ مچھلی پائی گئی۔ فی پونڈ دو روپیہ کو ملتی ہے نہایت لذیذ ہوتی ہے۔ دو پونڈ نہیں بکتی اگر خریدنا ہے تو چھ پونڈ خریدو افسوس کہ پرانی عمارت کی مرمت کوئی نہیں کرتا مسز وٹھل راؤ مسز راج کمار مسٹر وٹھل راؤ یہ سب ہمارے مہمان تھے ایک سایہ دار درخت کے نیچے ہم سب نے کھانا کھایا۔ کھانا ہم اپنے ساتھ لے گئے تھے تین بجے ہم وہاں سے واپس آئے۔ اولر بلیک کو جانے کا قصد تھا لیکن جا نہ سکے۔ کیونکہ وٹھل راؤ صاحب وغیرہ سب کل حیدرآباد جا رہے ہیں تین بجے ہم اپنے ہوس بوٹ میں آئے حیدر میاں کے چند دوست آئے۔ ان کو چاء پلائی۔ مسز واٹلے اور تاج الدین صاحب ہم سے ملنے آئے۔

مدراس سے آل انڈیا کرسچین فیڈریشن سوسائٹی کے سکریٹری کا خط آج پھر آیا ہے کہ دسمبر میں کانفرنس ہے آپ ضرور آئیے تقریر کیجئے۔

۱۸ ستمبر۔ آج صبح کو دس بجے مسٹر وٹھل راؤ مسز وٹھل راؤ مسز راج کمار ہم سے ملنے آئے۔ دو موٹروں میں سوار ہو کر حیدرآباد روانہ ہوئے۔ یہ لوگ حیدرآباد تک موٹر میں جائیں گے حیدرآبادی کوئی سفر میں مل جائے تو ایک دوسرے کو غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ کشمیر میں صرف حیدرآباد کے یہی لوگ تھے اور ہم تھے ان لوگوں کا ہوس بوٹ ہمارے قریب تھا حیدرآباد سے خطوط آ رہے ہیں۔ کہ وہاں پلیگ ہو رہا ہے سید جلالی صاحب اور ان کے سب لوگوں کا سخت تقاضا ہے کہ ہم ہوس بوٹ چھوڑ دیں اور ان کے گھر

میں قیام کریں ہر روز آکر بیرسٹر صاحب کو کہتے ہیں کہ آپ ناحق کرایہ دے رہے ہیں ہمارا گھر موجود ہوتے ہوئے آپ کرایہ کے ہوس بوٹ میں ہیں - ہم ان کا شکریہ ادا کرتے تھے ان کا اصرار ہوا کہ کم سے کم چار روز تو آپ ہمارے ہاں رہیئے - بیرسٹر صاحب نے منظور کر لیا حیدر آباد میں علی شاہ کے لئے یوسف کے لئے میوہ بھیجا - بیرسٹر صاحب نے آج چند لوگوں کو چاء پینے کے لئے بلایا تھا -

مقام زوٹیبل مکان سید حسین شاہ جلالی صاحب

۱۹ - ستمبر - صبح کو حسب معمول باغ میں گئی نماز وہیں پڑھی - ابھی آجکل ہزاروں ٹوٹ رہی ہیں میں بھی خرید کر لائی - صبح صبح میوہ خریدنا اور توڑنا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے باغ میں صبح کے وقت مالی وغیرہ پانی ڈالا کرتے ہیں - نو بجے مس کرم چند آئیں وہ اور ہم سب ایک شکارے میں بیٹھ گئے تصویر اتروائی - جلالی صاحب کے ہاں سے سواری آئی میں بیرسٹر صاحب معہ اپنی آیا کے ان کے ہاں گئے - جلالی صاحب کی بی بی اور بہن مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئیں - یہ بھی اصرار کیا کہ اب آپ یہیں رہیئے - دیکھیئے - ہمارے مکان میں کتنی جگہ ہے اب ہم آپ کو نہیں جانے دینگے - میں نے کہا میرے لئے آپ زحمت نہ کریں تین مہینے تو ہم پانی پر رہے ابھی اور چند روز پانی پر گذارونگی چار روز آپ کے ہاں رہونگی - آج کشمیر کے ایک حصہ زینہ کدال (جو تھے پل کا نام) کو آگ لگی ایک محلہ جل کر خاک ہو گیا بہت بڑی بستی جل گئی ہے یہ سن کر بہت افسوس ہوا ابھی چند روز ہوئے کہ طغیانی آئی تھی اب آگ لگی شام کو ہم سب نے مل کر کھانا کھایا - چار روز ہم ان کے ہاں نہایت آرام سے رہے میں نے شادی کا ذکر نکالا کہ آپ کے ہاں شادی کس طرح ہوتی ہے انھوں نے کہا جب شادی شروع ہوتی ہے - تو لڑکے سے اور لڑکی سے دریافت کرتے ہیں کہ تم فلاں سے راضی ہو - جب وہ

رضامندی ظاہر کرتے ہیں لڑکی صرف سر ہلا دیتی ہے - اس کے بعد ایک اسٹامپ کے کاغذ پر لکھ کر لڑکی اور لڑکے کا انگوٹھے کا نشان لیتے ہیں - امیر والدین اپنی لڑکی کو سات یا پانچ جوڑے کپڑوں کے دیتے ہیں - سات دن تک دلہن سر جھکا کر بیٹھتی ہے اس کے بعد گھونگھٹ اٹھا دیتی ہے جلالی صاحب کی بہو کے کپڑے اور زیور شادی کا منگا کر دیکھا ان لوگوں کا لباس عام طور سے ایک لمبا کرتا اور پاجامہ اور سر پر ایک گول ٹوپی اس کے اوپر ایک ریشمی یا ململ کا کپڑا ہوتا ہے زیور بہت ہوتا ہے کان میں بہت سی بالیاں پاؤں میں چاندی یا سونے کے کڑے ہاتھ میں چوڑیاں چاندی کی یا سونے کی پہنتے ہیں غریب آدمی تانبے یا پیتل کی بھی پہنتے ہیں اور پیشانی پر ٹیکا اور کانوں میں جھومر تو عام وخاص سب ہی لگاتے ہیں - غریب سے غریب کی لڑکی کے سر پر بھی ٹیکا ضرور ہوگا - اُن کا کرتا جس کو پیرن (پیرہن) کہتے ہیں اس کے نیچے عام عورتیں پاجامہ نہیں پہنا کرتیں نہ غریب مرد پاجامہ پہنتے نہ غریب عورت پائجامہ پہنتی البتہ امیر اور متوسطین پاجامہ پہن کرتے ہیں ان کے جوتے بھی الگ وضع کے ہوتے ہیں گھانس سے جوتا بنایا جاتا ہے - جو غریب آدمی پہنا کرتا ہے -

جلالی صاحب کے مکان کے سامنے سے جہلم کا وہ حصہ دکھائی دیتا ہے جہاں نالہ مار ہے اور جلالی صاحب کا باغ وغیرہ بھی ہے -

ایک دن مسز سعید مرتضیٰ اور ان کی بہو سید مصطفےٰ صاحب ہم سب نالہ مار میں گئے مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ جگہ ایسی خراب ہے اس قدر بدبو آنے لگی کہ جس کا بیان نہیں میں نے کہا میں آگے نہیں چل سکتی کشتی کو واپس کیجئے معلوم ہوا نالہ مار وہ ہے جہاں تمام سری نگر کی غلاظت آکر جمع ہوتی ہے -

۲۲ - ستمبر کو ہم جلالی صاحب کے مکان سے اپنے ہوس بوٹ کو واپس آنے کو تیار ہوئے جلالی صاحب کی بی بی کا اصرار ہوا کہ بارہ بجے کا کھانا کھا کر

جب بارہ کا کھانا کھالیا تو کہا چار بجے کی چاء پی کر جائے بار بار یہی تقاضا تھا کہ ہوس بوٹ کو چھوڑ دیجئے۔ ہمارے ہاں آ کر ٹھہرے جلالی صاحب کی بی بی کو اردو کا ایک لفظ نہیں آتا کشمیری زبان آتی ہے ان کی بہن کو اُردو آتی ہے چار روز بہت اچھی طرح سے گزر گئے۔ چار بجے نڈہیل سے واپس آتے آتے زینا کدال پل پر گئے جس محلہ میں آگ لگی تھی وہاں جاکر دیکھا بہت سی دوکانیں اور مکانات معہ سامان وغیرہ کے جل کر خاک ہو گئے ہیں مزدور کھود کھود کر سامان اندر سے نکال رہے تھے یہ سمان دل کو تکلیف دینے والا تھا وہاں سے ہوس بوٹ میں آئی دیکھا میرے نام کے بہت سے خطوط رکھے ہوئے ہیں مرے بھائی کرنل بیارت علی مرزا کا خط آیا ہے کہ ہمایون منزل والی کوٹھی کے لئے کرایہ دار آگیا ہے ما صہ پر اگر آپ کو منظور ہے تو اُتارتا ہوں۔ باہر مرزا اور میرے پیارے یوسف کا خط بھی آیا ہے ہمشیرہ منظور جنگ کا خط آیا ہے سر ایلیین نبیر جی کا دعوتی رقعہ آیا ہے پرسوں ڈنر ہے۔

ملاقاتیں اور دعوتیں

۲۳-ستمبر صبح کو مس کرم چند اور ان کی بہن آئیں آج یہ لوگ لاہور جارہے ہیں کشمیر سے اکثر لوگ اپنے اپنے وطن جارہے ہیں۔ اور بعض لوگ کشمیر میں آرہے ہیں۔ کیونکہ اکٹوبر کا مہینہ بہترین ہوتا ہے شکار اسی مہینہ میں ہوتا ہے برف پہاڑوں پر جمتی ہے ہوا نہایت ہلکی اور ٹھنڈی ہو جاتی ہے سٹر اور مسز حامد علی بھی مجھ سے ملنے آئے وہ بھی چند روز میں حیدرآباد جارہے ہیں ان کے بھائی کی لڑکی کی شادی ہرہاروں میں جو گروپ تصویر اُتاری تھی وہ دی ٹوگراف البم کر مجھے دیا البم میں مجھ سے لکھا لیا اور بیرسٹر صاحب سے بھی لکھوایا۔

چار بجے اہلیہ ڈاکٹر عبد الواحد کے ہاں چاء پر گئی وہاں سے

شام کو واپس آئی کھانا کھانے کے بعد دیر تک لکھتی رہی۔

۲۴.ستمبر۔ صبح کو مسز حامد علی کے ہاں گئی تھی ان کے ہاں جذامی ہسپتال کی صدر اور اس کی بہن آئی ہوئی تھی اس نے مجھ سے کہا جذامی لوگوں کا ہسپتال تم ضرور آکر دیکھو میں تمام ہسپتال دکھاؤں گی آج سر ایلین بنرجی کے ہاں ڈنر ہے۔ انھوں نے کہلا بھیجا ہے کہ پلاؤ وغیرہ پکوا کر بھیجو۔ میں نے آدمیوں کو کہہ دیا پلاؤ۔ شکم پُر۔ کوفتہ کا سالن پکائیں سر ایلبین کو ہندوستانی کھانے بہت پسند ہیں۔ اکثر ہمارے ہاں سے پک کر جایا کرتا ہے۔ ۱۲- آدمی کا ڈنر تھا کرنل ویرا اور مسز ویر فرسٹ اسٹینٹ رزیڈنٹ جنرل بیٹی کی بی بی تھیں اُن لوگوں سے اور مجھ سے باتیں رہیں۔ سر ایلبین سن رسیدہ ہیں لیکن بہت خوش مزاج آدمی ہیں سر علی امام کی طرح کھانے کے وقت ادھر اُدھر کے قصے کہا کرتے ہیں۔ مجھے سر علی امام کی مہمان داری یاد آگئی

۲۵.ستمبر۔ خان بہادر عبد اللہ خاں پیشاوری بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے۔ پروفیسر ظہور علی حیدرآبادی آئے ممتاز علی صاحب ایڈیٹر تہذیب کو میں نے رقعہ بھیجا تھا کہ آپ میرے ہاں آئیے ہوس بوٹ میں ٹھہرے۔ اِس کا جواب آیا۔ آج چند ساڑیاں خریدیں اور رنگنے کو دیں۔ چار بجے میں، بیرسٹر صاحب مسز وائل کے ہاں گئے آن سے مل کر وہاں سے نواب مولا بخش صاحب کے ہاں گئی ان کی لڑکی عصمت النساء کو میعادی بخار ہے اس لئے کارڈ دے کر واپس آگئی وہاں سے سٹر سراج الدین بیرسٹر کے ہاں گئے۔ ان کی بی بی میری موٹر میں سوار ہو گئیں ہم وہ مل کر مسز قیوم صاحبہ کے ہاں ایٹ ہوم میں گئے۔ وہاں مسز و مسٹر وبکفیلڈ وغیرہ بھی مدعو تھے وہاں سے چھ سات بجے گھر واپس آئے۔ کشمیر میں شفق آٹھ بجے تک رہتی ہے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔

۲۶۔ستمبر۔ آج بارہ بجے کے کھانے پر محبوب عالم صاحب مدعو تھے

ان سے مختلف گفتگو رہی میں نے آج بہت سے قسم کے میٹھے اور اچار وغیرہ بنائے چار بجے جنرل بٹی جو غیر لور میں بریگیڈیر جنرل ہیں ان کی اہلیہ سے ملنے گئی وہ بہت ملنسار بی بی ہیں دیر تک گفتگو رہی آج شام کو کشمیر کے سفر کے مختصر حالات رہبر دکن کے لئے لکھے اور بھیج دیئے۔

۲۷ ستمبر۔ آج مولوی ممتاز علی صاحب۔ اور ان کے فرزند حمید علی صاحب آئے چاء پر بلایا تھا جنرل بٹی کی بی بی شام کو مجھ سے ملنے آئیں جشن آباد میں آج مجلس تھی میری دعوت بھی تھی بیرسٹر صاحب کی بھی دعوت تھی۔ بیرسٹر صاحب نہیں گئے۔ اور نہ میں جا سکی حیدر علی مرزا گئے تھے مسٹر اور مسز حامد علی (کلکٹر سندھ) مجھ سے ملنے آئے۔ کل وہ لوگ حیدرآباد جا رہے ہیں میری طبیعت آج بہت سست و خراب ہے۔

۲۸ ستمبر۔ آج بہت سے خطوط لکھے اور بہت سے خطوط و اخبارات آئے۔ نظام الدین صاحب کی بی بی اور لڑکیاں آئیں وہ لوگ کل چار بجے لاہور جا رہے ہیں۔ آج بارہ بجے کے کھانے پر مولوی ممتاز علی صاحب کو بلایا تھا خضر محمد چاندی والا ہے میرا پاندان بنا کر لایا۔ چار بجے سر ایلبین کے ہاں ایٹ ہوم کی دعوت تھی بیرسٹر صاحب۔ اور حیدر گئے میں نہیں گئی۔ میری طبیعت سست ہے۔ میرے آٹوگراف البم میں سر ایلبین نے لکھا۔ اور مسز بیٹی نے بھی لکھا ہے۔

۲۹ ستمبر آج ایک مضمون نورجہاں رسالہ کے لئے لکھا میر عزیز الرحمان ایڈیٹر نورجہاں کا سخت تقاضہ تھا اور چند خطوط لکھے۔ سیتا کرنل جیون سنگھ کی لڑکی جسکی شادی حال ہی میں کپتن پسر بچا سے ہوئی ہے پنڈی میں رہتی ہے مجھے خط لکھا ہے کہ کشمیر سے واپس آتے آتے میرے ہاں ٹھہریئے۔ ہمارا گھر موجود ہے حیدرآباد سے میرے بھائیوں کے خطوط آئے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۲۸ء بیرسٹر صاحب کرنل ویر فرسٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ

سے ملنے گئے وہ سکم کے رزیڈنٹ ہو کر جا رہے ہیں۔ میں نے آج بہت سے دعوتی خطوط لکھے جمعہ کو میرے ہاں پارٹی ہے زیادہ حصہ دن کا لکھنے میں گذر گیا۔

یکم اکٹوبر

آج بہت سے لوگ بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے۔ آج چاء پر مس براس پرنسپل سنتری گرل اسکول کو بلایا تھا مسز بسکو نے رقعہ بھیجا ہے ۲۔ اکٹوبر کو دعوت ہے۔

۲۔ اکٹوبر۔ عظیم بیگ صاحب چغتائی کا خط علیگڈھ سے آیا ہے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ پردے کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں تحریر کیجئے۔ ساریاں والا آیا۔ ساریاں خریدیں۔ حیدر علی مرزا نے لـ روپیہ کی زعفران خریدی ہے یہاں دھوبی فی کپڑا ایک آنہ لیتا ہے بہت گراں کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔

۳۔ اکٹوبر۔ صبح سید سیف الدین۔ و سید سیف اللہ۔ سید حسین شاہ جلالی صاحب وغیرہ ہم بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے۔ چار بجے مسز بسکو صاحبہ کے ہاں میں اور بیرسٹر صاحب ایٹ ہوم میں گئے۔ بہت بڑی پارٹی تھی اسکول کے لڑکوں نے کھیل کئے سرکس کی مشق کی بائیسکل وغیرہ کے کرتب کئے بہت اچھے کھیل بچوں نے کئے۔ اس کے بعد رزیڈنٹ کی بیوی نے انعام تقسیم کئے۔ پھر ہم سب لوگوں نے چاء پی باغ میں کرسیاں اور تپائیاں رکھی تھیں عورت مرد سب شریک تھے۔ مسٹر ہاول رزیڈنٹ کشمیر کی بی بی اور کرنل ویر کی بی بی سے ملاقات ہوئی مسز ہاپ کنگسٹن سے ملائی گئی یہ ہمارے حیدرآباد کے کرنل ٹرنچ کی ساس ہیں ان سے بھی باتیں رہیں۔ اور نواب مولا بخش صاحب سے بھی ملاقات رہی چاء کے بعد

سب لوگ جہلم کے کنارے سے گئے کشتیوں کی شرطیں دیکھیں چار رنگ کی کشتیاں تھیں سب مل کر ایک وقت میں دوڑیں جو پہلے آئے اس کو انعام دیا گیا یہ بہت اچھا کھیل تھا۔

۵۔ اکتوبر۔ آج سید شاہ سیف اللہ صاحب بیرسٹر صاحب کو ایک مقدمہ میں گورنر کشمیر کے ہاں لے کر گئے۔ سیف اللہ صاحب کا مقدمہ ہے آج بیرسٹر کے ہاں دعوت ہے کل چیزیں گھر ہی میں تیار کروائیں۔ چار بجے سے لوگ آنا شروع ہوئے مسٹر قیوم صاحب۔ اور مسز قیوم۔ مسٹر بکرجی مسٹر للت بنرجی جج الہ آباد ہائی کورٹ اہلیہ مسٹر وائل منسٹر۔ وغیرہ مدعو تھے۔ مولوی ممتاز علی صاحب معہ اپنی پوتی کے آئے۔

۸۔ اکتوبر۔ آج مہاراجہ کشمیر کی سالگرہ ہے تمام سری نگر میں بہت دھوم ہے۔ سارے شہر میں روشنی کی گئی ہے۔ بیرسٹر صاحب کے نام دعوتی کارڈ آئے ہیں ۱۲۔ اکتوبر کو مہاراجہ پونچھ کے ہاں ایٹ ہوم ہے۔

کشمیری زبان و لباس وغیرہ

یہاں کی بولی کشمیری ہے جو فارسی و سنسکرت مل کر ایک خاص زبان ہو گئی ہے چند باتیں کشمیری لکھتی ہوں بھائی کی جگہ (بابوچھ) لوگ ہیں (لوگ چھ) لڑکے تھے کی جگہ (لگت اُسی) شاید ہوگا (شاید سا) پانی کو آب سرد کہتے یہاں کے عورت کے نام (را ہتی) دولتی۔ جگری منگلی پندری جونی خاتون۔ مرد کے نام۔ غفارا۔ سجانا۔ عزیزا۔ قادرا۔ صدیقا۔ خضرا جو محمد جو۔ عموماً خدا کے نام کے ساتھ الف ندائیہ کا لگا دیا جاتا ہے۔

لباس مردوں کا لانبا کرتہ مثل عربوں کے جس کی آستین بڑی ہوتی ہے اس کو چار تہ کر کے لپیٹ لیتے ہیں۔ ناحق کپڑا بیکار خراب کرتے ہیں۔ اور پاجامہ پہنتے ہیں جس کو پنجاب میں شلوار کہتے ہیں۔ یہ ڈھیلا ہوتا ہے

مُہری تنگ ہوتی ہے سر پر سفید ٹوپی اس پر سفید یا سیاہ عمامہ ایرانی طریقہ سے باندھتے ہیں بعض لوگ کوٹ بھی پہنتے ہیں غریب آدمی صرف ٹوپی پہنتے ہیں عمامہ نہیں باندھتے سردی کے وقت امیر و متوسطین کشمیرہ و شال چادر استعمال کرتے ہیں غریب آدمی صرف پٹو یا لوئی ایک قسم کا کمبل اوڑھتے ہیں عورتوں کا لباس بھی مردوں کے لباس میں ملتا ہوا ہوتا ہے ایک لانبا کرتہ پنڈلیوں تک اس کی آستین ہاتھوں سے زیادہ لمبی اس کو لپیٹ لیتی ہیں۔ کرتے کے نیچے اور دو تین کرتے اسی طرح لانبے لانبے ہوتے ہیں۔ اور ڈھیلا سفید پاجامہ ہوتا ہے اور سر پر لپٹی ہوئی پگڑی ہوتی ہے اس کو پگڑی کہو یا لپٹی ہوئی ٹوپی کہو اس پر ڈیڑھ گز کا سفید کپڑا اوڑھتے ہیں اور ہندنیاں گھر میں لیتی ہیں عیسائی مشنری عورتوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ غریبوں کا لباس اکثر سیاہ ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ نہاتے کم ہیں۔ مہینوں نہیں نہاتے غریب یا امیر جو عورت جوان ہو اور شوہردار ہو اس کے سر پر جڑاؤ یا سونے کا یا پیتل کا ٹیکہ ہوتا ہے جس کے نیچے موتی کے بدل سونے کی ٹکیاں گول گول لٹکتی رہتی ہیں اور کانوں میں بالیاں ضرور ہوتی ہیں صرف دو لولیوں میں سوراخ ہوتا ہے ایک ایک لو میں پچھ پچھ بالی یا آٹھ کبھی دس بالیاں ہوتی ہیں۔ خدا جانے یہ نازک لوئیاں کیونکر یہ بوجھ برداشت کرتی ہیں۔ بعض کی لوئی پھٹ جاتی ہے ہاتھوں میں چوڑی چوڑی چوڑیاں ہوتی ہیں۔ چار انگل چوڑی ہوتی ہیں سونے کی یا چاندی کی یا پیتل کی پہنتی ہیں غرض پہننا ضروری ہے۔ امیر عورتیں ایک انگل دو انگل چوڑی چوڑیاں پہنتی ہیں۔ کان میں ایک اور زیور ہوتا ہے جس کو ہم کرن پھول کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک پھول ہوتا ہے لیکن ان کے ہاں چار پھول ہوتے ہیں۔ اور نیچے ایک جھمکا لٹکا ہوتا ہے گلے میں جڑاؤ یا سونے کا یا پیتل کا چھاضر رہتا ہے۔ غریب امیر ہر ایک عورت زیور

ضرور پہنا کرتی ہے بالیاں ہر ایک عورت کے کان میں ہوتی ہیں۔ دہلی کی عورتیں اپنا تمام کان چھلنی بنا لیتی ہیں یہاں کی عورتیں صرف لویوں پر ظلم کرتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو بھی زیور پہناتی ہیں۔ ایک ماہ کی لڑکی کی پیشانی پر بھی ٹیکہ لگایا جاتا ہے اور سیاہ دھاگے کے بال بنا کر چوٹیاں بنا کر کرن پھول وغیرہ لٹکا دیتے ہیں۔ یہاں عورتیں اپنے بالوں کی ایک چوٹی نہیں ڈالتی ایرانی عورتوں کی طرح بہت سی چوٹیاں ڈالتی ہیں۔ پردہ سخت کرتی ہیں لیکن برقعہ پہنکر بازار جاتی ہیں۔ ہزاروں مسلمان اپنی لڑکیوں کی شادی چار پانچ سال کی عمر میں کر دیا کرتے ہیں اس سال مہاراجہ کشمیر نے یہ قانون نافذ کیا ہے کہ بارہ سال سے کم کی لڑکی کی شادی نہ کی جائے ورنہ سزا ہوگی۔

آجکل سیکڑوں ہندو اور مسلمان اپنی لڑکیوں کی شادی جلد جلد کر رہے ہیں کیونکہ نومبر یا ڈسمبر کے مہینہ سے قانون جاری ہونے والا ہے سڑکوں پر سے باجہ بجتا ہوا دولہا دلھن گزرتے تھے مجھے خبر نہیں میرا خیال تھا شاید ہندوؤں کی میت ہو کیونکہ حیدرآباد میں اکثر ہندو کے مردے اسی طرح جاتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ دولہا دلھن جا رہے ہیں۔ ایک قسم کی ڈولی ہوتی ہے سرخ کپڑا اس پر ہوتا ہے باجہ بجتا ہوا جاتا ہے مسلمان و ہندو دونوں کی برات اسی طرح جاتی ہے۔ گائیں سڑکوں پر ماری ماری پھرتی ہیں جس طرح ہندوستان میں بلی کتے۔ سڑکوں پر دوڑتے ہیں۔ گائے کو کوئی مار نہیں سکتا اگر اتفاق سے بھی کسی موٹر سے ٹکر ہو جائے تو۔ ڈرائیور کو سات سال کی سزا ملتی ہے۔

یہاں دسہرا بہت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ ہندوستان میں یہ دیکھا تھا کہ ہندو لوگ مسلمان کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے کشمیر میں یہ دیکھا ہے مسلمان بھی ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے اور نہ ہندوؤں کی دوکان سے کوئی چیز خریدتے ہیں۔ میرے ہوس بوٹ کے پاس اگر کوئی ہندو کپڑے والا

آتا تھا تو۔ ہمارے ہوس بوٹ کا مالک آکر میرے سامنے کھڑا ہو جاتا اور کہتا یہ ہندو ہے۔ اس کے پاس سے آپ کچھ نہ خریدیں یہ سن کر مجھے تعجب ہوتا تھا کیونکہ کشمیر میں سلطنت ہندو کی ہے لیکن مردم شماری میں مسلمان بہت ہیں۔ فی صدی تیس ہندو۔ باقی مسلمان ہیں۔ ان میں اتفاق نہیں ہے۔ مہاراجہ کشمیر بھی مسلمانوں کا حق نہیں دیتے ان کو نوکری نہیں ملتی بیچارے سخت پریشان ہیں۔ یہاں لیڈی ڈاکٹر دو ہیں مشن ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹر اچھی ہے ہر جگہ تمام دنیا میں امریکن مشنری بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ سر ایلین صاحب بیرسٹر صاحب کو ہمراہ لیکر گھوڑ دوڑ دکھانے گئے۔

دس روز کی مختصر ڈائری

۱۰۔ اکٹوبر کو مہاراجہ پونچ کے ہاں ایٹ ہوم میں بیرسٹر صاحب گئے۔ اور شام کو سر ایلین کے ہاں ڈنر میں گئے۔ کہا بہت بڑے بڑے عہدہ دار راجہ مہاراجہ مدعو تھے۔ آج کل موسم نہایت خوشگوار ہے۔ لیکن میری طبیعت خراب ہے ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نے علاج کیا فائدہ نہ ہوا۔ حالانکہ عبدالواحد نہایت مہربانی اور محبت سے علاج کرتے تھے ان کے مشورہ سے سرکاری ہسپتال کی یوروپین لیڈی ڈاکٹر کا علاج ہوا اس سے بھی فائدہ نہ ہوا آخر کرنل لن کو بلایا میری علالت کے زمانے میں کشمیر کے لوگ بہت مہربانی اور محبت سے پیش آئے۔ تمام دن کوئی نہ کوئی آتا تھا اور مزاج پرسی کرتا میرے پلنگ کے کمرے میں میری جان پہچان بیبیاں تمام دن بیٹھی رہتی تھیں۔ کبھی بیگم عبدالواحد صاحب کبھی بیگم حمید علی صاحب کبھی بیگم قیوم صاحبہ کبھی بیگم نظام الدین صاحبہ۔ کبھی بیگم اسحاق اور ان کی لڑکیاں مسٹر بسکو پادری کی بی بی مسز وال پول تو ہر روز آئیں مجھ سے باتیں کرتی رہتیں مسز ٹامس اور مس ٹامس دن بھر میں کئی وقت آتیں۔

زعفران کا کھیت تیار ہو گیا ہے میں وہاں نہیں جا سکتی اس لئے لوگ

میرے لئے گملوں میں زعفران کے درخت لگا لگا کر بھجوائے گئے۔ مرے پلنگ کے سامنے زعفران کے پھول کھلے ہوئے رکھے رہتے تھے۔ کوئی شہد بھجواتا کوئی انار کوئی سیب۔ غرض تحفے آتے لوگ ملنے آتے ہر طرح کی دل بستگی تھی۔ مجھے اپنی بیماری معلوم ہی نہیں ہوتی تھی جب ان لوگوں سے فرصت ملتی تو میں پلنگ پر لیٹے لیٹے۔ مضامین لکھا کرتی بعض بیبیاں کہتی تھیں آپ بیمار معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ آپ ہر وقت ہنستی رہتی ہیں۔ میری یہ ہمیشہ کی عادت ہے کہ میں اپنی زندگی خوشی سے گزارنا چاہتی ہوں۔ بیماری کی پروا نہیں کرتی ایک مضمون کشمیر کے حالات جسکا عنوان سر زمین کشمیر اور ہم تھا لکھ کر رہبر کو بھیجا اور ایک مضمون تہذیب نسواں کو لکھ کر لاہور بھیجا۔ برف پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمی ہوئی ہے سردی اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔ آگ روشن کرنے کی ضرورت ہے ہم جہلم ندی کے اوپر ہوس بوٹ میں بیمار ہیں۔ لیکن ہر طرح کی دل بستگی کا سامان ہے۔ واپس جانیکا جب قصد کیا جتنی میری ملنے والیاں تھیں سب مجھ سے ملنے آنے لگیں میر احمد شاہ خاں صاحب وزیر قلات کی بی بی اور میر احمد شاہ خاں صاحب بھی ہمارے ہاں آئے۔ ہوس بوٹ کے نوکروں کو کپڑے وغیرہ بنا کر دیئے اور کھانا پکوا کر غریبوں کو کھلایا۔

۳۰۔ اکتوبر کو ہمنے کشمیر کو خیر باد کہا بیرسٹر صاحب کے ملنے والے ڈاکٹر عبدالواحد صاحب جلالی صاحب اسحاق صاحب جلالئے پیدر گردھاری لال ایم اے بہادر سیٹھ کرشن کول وغیرہ سب آئے۔ موٹر میں سوار ہو کر پنڈی کے راستہ چلے چناری میں قیام کیا یکم نومبر کو پنڈی میں پہونچے سری نگر سے بیرسٹر صاحب نے علی بھائی صاحب کو اور مسز سیتا پسر بچا کو تار دے دیا تھا کہ ہم آرہے ہیں اب راستہ میں ہم سوچ رہے تھے کہ کہاں ٹھہریں۔ وہ دونوں ہمارے منتظر رہینگے۔

حالات راولپنڈی

یکم نومبر۔ علی بھائی صاحب کے مکان میں قیام کیا مسز سیتا پسر بچا کو جب معلوم ہوا کہ ہم علی بھائی صاحب کے ہاں ٹھہرے ہیں۔ میاں بی بی دونوں مل کر ہمارے ہاں آئے۔ علی بھائی صاحب کی بی بی سے کہا کہ آپ ہمارے مہمان کو کس طرح رکھ سکتے ہیں ہمنے ان کے لئے کمرہ تیار کیا تھا۔ اور منتظر تھے مجھ سے بھی گلہ کیا کہ آپ کا خط آیا تھا۔ اور تار بھی آیا تھا خط پاکر تار آپ کو دیا تھا کہ ہمارے ہاں آکر ٹھہرے میں نے کہا میں دو روز کے لئے آئی ہوں مسز علی بھائی نے کہا۔ آپ کو چار چھ روز رہنا ہوگا دو روز میں تو ہم نہیں جانے دینگے کشمیر جاتے وقت بھی آپ ہمارے ہاں نہیں ٹھہریں اب رہنا ہوگا۔ غرض سیتا نے بہت گلہ کیا کھانے کی دعوت دے کر دونوں میاں بی بی چلے گئے علی بھائی صاحب چار پانچ بھائی ہیں۔ طیب علی صاحب۔ سیٹھ عبداللہ صاحب۔ سب سے بڑے خان بہادر آدم جی ماموں جی صاحب اور ایک بھائی کلکتہ میں رہتے ہیں۔ چار بھائی راولپنڈی ہی میں رہتے ہیں تاجر ہیں مسلمانوں میں ان بھائیوں سے بڑھ کر پنڈی میں کوئی دولتمند نہیں ہے بڑی بڑی اور پچاسوں کوٹھیاں کرایہ پر دے رکھی ہیں۔ ان میں فوجی افسر رہتے ہیں۔ ان سب بھائیوں نے بیرسٹر صاحب کی دعوت کی اور میری دعوت کی ان لوگوں کے مکانات نہایت عالی شان بہت قیمتی فرنیچر سے سجے سجائے ہیں سب سے بڑی بات جو ان کے مکانات میں دکھائی دی وہ یہ ہے کہ ہر ایک بھائی کے مکان میں ایک حصہ مہمانوں کے لئے مخصوص ہے ایک کمرہ اس کے برابر حمام اور ایک چھوٹا کمرہ بڑے کمرے میں مہمان کے لئے پلنگ کوچ کرسی لکھنے کا میز نماز پڑھنے کے لئے ایک چھوٹا سا تخت کھانے کا میز اسی کمرہ میں رکھا ہوا چار کرسیاں غرض سب ضرورت کی

چیزیں موجود میرے لئے بھی اسی طرح کا انتظام تھا کھانے کے وقت نہایت
عمدہ کھانا آجاتا تھا چاء کے وقت چاء آتی تھی۔ حمام کا پانی ہر وقت تیار غرض
ہر طرح مجھے آرام ملا ہمیشہ مجھے ان کی مہمان داری یاد رہے گی۔ جب
کہیں جانا ہو موٹر حاضر ان پانچ بھائیوں میں ایک بہن ہیں۔ ان کا مکان علی بھائی
کے مکان کے برابر ہے وہ ہر وقت میرے پاس آیا کرتی تھیں۔ حیدر علی مرزا
پیشاور دیکھنے گئے مسز علی بھائی صاحب اور ان کی نند ہم مل کر پنڈی کی
سیر کو نکلے یہاں سڑکوں کا نام عجیب و غریب ہے لال کرتی، ٹوپی رکھا۔
بائی نمبر جنگی۔ نبسی چھاؤنی۔ لال کرتی سڑک پر گئے یہ سڑک بہت اچھی
ہے اس کا نام لال کرتی اس لئے رکھا ہے کہ انگریزی فوج کے لوگ لال
کوٹ پہنا کرتے تھے لاہور میں کوٹ کو کرتی کہتے ہیں۔ ایک سڑک کا نام
ٹوپی رکھا ہے۔ وہ بھی اسی لئے نام رکھا ہے کہ انگریزوں کی ٹوپی بڑی
ہوتی ہے۔ ٹوپی اکھا بھی کہتے ہیں۔ ٹوپی بارکس بھی کہتے ہیں۔ کنٹونمنٹ اور
پارک دیکھا وہاں سے ایک زنانہ اسکول میں گئے جسمیں صرف مسلمانوں کی
اور ہندوؤں کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ ساڑھے چار سو لڑکیاں ہیں۔ بورڈر
ہندو لڑکیاں ۳۲ ہیں۔ اور مسلمان بورڈر ۱۲ ہیں اُستانیاں سولہ
ہیں۔ یہاں تعلیم المعلمات کی کلاس بھی قایم ہیں۔ بورڈر جو لڑکیاں
ہیں۔ ان سے فیس ہے، لی جاتی ہے۔ دوسری لڑکیوں سے فیس نہیں
لی جاتی بہت بڑا اسکول ہے سرکاری ہے۔

علی بھائی صاحب کی لڑکی سے اور ان کی بہن کی لڑکی سے میں نے
کہا تم لوگ شریک کیوں نہیں ہوتیں تو لڑکیوں نے کہا ہمارے والدین شریک
نہیں کراتے گھر پر آنے کے بعد دونوں لڑکیوں نے مجھ سے کہا کہ آپ
کوشش کر کے ہم کو اسکول میں شریک کروائیے۔ ہم چاہتے ہیں تعلیم پائیں لیکن
والد رضامند نہیں ہوتے رواج کی پابندی کی وجہ سے یہ لوگ اپنی لڑکیوں کو

اسکول میں تعلیم دلوانا عیب جانتے ہیں یہ سُنکر مجھے سخت رنج ہوا۔ یہاں لڑکیوں
کو لانے کے لئے سواری ہے اور پیدل بھی لڑکیاں آتی ہیں۔ سو دو سو برقعے ایک
رسی پر لٹک رہے تھے پنڈی میں بھی پردہ بہت ہے لیکن برقعہ پہن کر شریف
عورتیں باہر جاتی ہیں وہاں سے ہم ندی دیکھنے گئے یہ ندی بہت بڑی اور
بہت خوبصورت ہے اس کے کنارے پہاڑوں کا سلسلہ ہے یہاں کے
پہاڑوں پر درخت نہیں ہوتے۔ آج کل موسم نہایت خوشگوار ہے پنڈی کا سیزن
نومبر ڈسمبر میں رہتا ہے میوہ نہایت عمدہ عمدہ ملتا ہے ترکاری لاجواب ملتی ہے مچھلی
جھینگے بہت اچھے ہیں۔ گوشت دنبوں کا ہوتا ہے یہاں اونٹ پر لکڑیاں وغیرہ
رکھ کر لے جاتے ہیں۔ اور گاڑی میں بھی اونٹ لگایا جاتا ہے یہاں پھول گوبی
اس قدر بڑی بڑی ہوتی ہے کہ اس کے قبل میں نے اس طرح کی گوبی نہیں
دیکھی کابل اور پشاور سے میوہ بہت آتا ہے۔ ہمارا قصد مصمم ہو گیا تھا کہ پشاور
ایک روز کے لئے جائیں سب تیاری کر لی تھی۔ رات کے نو بجے کی ریل سے
جانے والے تھے علی بھائی صاحب اور طیب علی صاحب نے اپنے دوستوں
کے نام خطوط بیرسٹر صاحب کو دئے تھے۔ لیکن ایک صاحب بیرسٹر صاحب سے
ملنے آئے۔ انھوں نے کہا پشاور میں درخیبر پر اور کنٹونمنٹ میں عورتوں کو
جانے نہیں دیتے اس لئے ہمنے اپنا جانا موقوف کر دیا مجھے اس کا بہت افسوس
رہا کہ میں پشاور نہیں گئی۔

میرے بھائی حیدر علی مرزا پشاور جا کر واپس آئے۔ وہاں کے حالات
بیان کئے۔ ان کو ہر شخص یورپین فوجی افسر سمجھتا تھا کیونکہ ان کا رنگ سرخ
و سفید بالکل یورپین کی طرح ہے۔ ایک روز ہم مشن اسکول دیکھنے گئے یہاں
ایک سو چالیس لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ امریکن مشن اس کا خرچ چلاتا ہے
وہاں سے ایک باغ میں گئے۔ یہ باغ صرف عورتوں کا ہے۔ اس میں کوئی مرد
نہیں جا سکتا نہایت اچھا کھلا ہوا باغ ہے سیر و تفریح کا بہت اچھا مقام ہے

بیرسٹر صاحب سے ملنے بہت لوگ آیا کرتے تھے شاہ نواز خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور خان بہادر اسمٰعیل خاں آنریری مجسٹریٹ اور بابو اللہ رکھا صاحب وغیرہ چودھری الہ داد خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل بیرسٹر صاحب ہم کو ایک دن اپنے ہمراہ لے کر گندہک کا اور کیریسین تیل کا چشمہ دکھلانے گئے راستہ میں نور پور شہر سے وہاں ایک سرا ہے حضور نظام نے ایک فقیر کمل پوش کو روپیہ دئے۔ اُس نے بنائی ہے ۱۹۱۴ء لکھا ہوا ہے وہاں ایک درگاہ لطف شاہ صاحب کی ہے سجادہ درگاہ کے سید عنایت حسین شاہ تقوی ہیں سید پور ایک گاؤں ہے ایک قدرتی چشمہ ہے۔ افسوس کہ میں نہیں گئی۔ چندروز میں جو میں پنڈی میں ہوں یہاں بھی بہت سے خطوط و اخبارات آئے مولوی ممتاز علی صاحب کا خط آیا کہ لاہور میں آکر آپ ہمارے ہاں ٹھہریے۔ لیڈی عبدالقادر کا خط لاہور سے آیا۔ حمید علی صاحب کا خط لاہور سے آیا حیدرآباد سے میرے عزیزوں کے خطوط آرہے ہیں کہ جلد آؤ پنڈی میں کب تک رہو گی آپ یاد آرہی ہیں جلد آئیے۔ ہمشیرہ نواب منظور جنگ کا خط آیا بمبئی سے فاطمہ بیگم صاحبہ کا خط آیا میسور سے بھی خط آیا کہ تم کانفرنس میں آکر تقریر کرو علی بھائی صاحب کی بہن اور ان کی بی بی مسز طیب علی صاحب سیٹھ عبداللہ صاحب کی بی بی غلام حسین صاحب کی بی بی یہ سب برابر میرے پاس آتی رہتی ہیں ہم سب مل کر ہوا خوری کو جاتے ہیں گھر میں جب رہتے اِدھر اُدھر کی باتیں رہتیں ان کا مکان بہت صاف ستھرا تھا یہ لوگ حیدرآباد کے ڈاکٹر عبدالحسین صاحب ارسطو یار جنگ کے عزیزوں میں ہیں ان لوگوں نے ہم سے ڈاکٹر صاحب کی خیریت دریافت کی ہم لوگ روز جانے کے لئے تیار ہوتے تھے لیکن ان لوگوں کا ایسا اصرار ہوتا تھا کہ ہم کو مجبوراً ٹھہرنا ہوتا مسز سیتا پسر بچا بھی چند بار میرے یاں آئیں اور ہم کو بہت تکلف کے ساتھ ڈنر دیا۔

راولپنڈی کی ہوا سے مجھے بہت فائدہ ہوا کشمیر میں چند روز علیل ہو گئی

تھی یہاں بالکل اچھی رہی۔

ٹکسیلا کی سیر

۶۔ نومبر صبح کا ناشتہ کرکے میں اور حیدر علی مرزا بیرسٹر صاحب ہمارے نوکر ایک موٹر میں سوار ہوئے ٹکسیلا دیکھنے چلے۔ جس زمانہ میں ہندوؤں کی تہذیب و تمدن اپنی معراج ترقی پر تھا اسی زمانہ میں شمالی ہند کا شہر ٹکسیلا مرجع خاص و عام بنا ہوا تھا۔ ایک طاقتور سلطنت پایہ تخت ہونے کے علاوہ علم کا دریا بہتا دور دور سے طالب علم یہاں آکر سیراب ہوتے جس زمانہ میں سکندر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اُس وقت بھی یہ شہر خوب بارونق تھا۔ اور دور و نزدیک مشہور تھا چنانچہ سکندر کے حملوں کے سلسلہ میں اس شہر کا حوالہ کئی جگہ تاریخ میں درج ہے زمانے کے ہاتھوں یہ شہر ایسا مٹا کہ صفحہ ہستی پر اس کا نام و نشان تک نہ رہا خاک گردش روزگار اس کے کھنڈروں پر ایسی جمی کہ بچے بچائے آثار بھی زمین میں دفن ہوگئے۔ اور اس شہر کی جگہ ایک چٹیل میدان بن گیا چونکہ تاریخ کی کتابوں میں اس شہر کا تذکرہ اور محل وقوع تفصیل سے درج ہے۔ اس لئے محکمہ آثار قدیمہ کو خیال ہوا کہ میدان کے مختلف مقامات میں کھدوائی کرکے دیکھا جائے۔ مبادا کسی جگہ اس شہر کے آثار برآمد ہو جائیں۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ پہلے جاپانی لوگوں کی توجہ اس میدان کی کھدوائی کی طرف مبذول ہوئی کیونکہ یہاں بدھ مذہب والوں کا بھی دور دورا تھا اس لئے جاپانیوں نے سرکار انگلشیہ سے درخواست کی کہ وہ زمین ان کو دے دی جائے۔ جہاں تاریخ کی رو سے شہر ٹکسیلا کا سراغ ملتا ہے تاکہ وہاں کھدوائی کی جائے۔ ممکن ہے کہ زمین کے نیچے سے قدیم شہر کے آثار یا اور کوئی دوسری قدیم چیز برآمد ہو۔ مگر سرکار انگریزی نے جاپانیوں کی درخواست نامنظور کی اور محکمہ آثار قدیمہ کے افسر اعلیٰ سر جان مارشل کو مامور کیا کہ وہ کھدوائی کا کام شروع کریں

اور اس قدیم شہر کے متعلق ممکن معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں چنانچہ بڑی احتیاط سے کھدوائی کا کام شروع کیا گیا اور بہت جلد زمین سے دو گز اونچی دیواریں نکلنی شروع ہو گئیں جن کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ ان کے اوپر کا حصہ اور چھتیں گر چکی ہیں اس طرح تحقیق کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی تو۔ انھوں نے زیادہ وسیع پیمانے پر کھدوائی کا کام شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے شہر کے آثار زمین سے برآمد ہو گئے اور کئی جگہ چھوٹی چھوٹی عمارتیں اچھی حالت میں بھی نکل آئیں ٹیکسلا کے یوں زمین سے برآمد ہونے کا حال عرصہ سے سن رکھا تھا۔ ....

اس سال موسم گرما میں جب کشمیر سے راولپنڈی کے راستہ واپسی ہوئی تو خیال آیا کہ لگے ہاتھوں ٹیکسلا کی سیر بھی کر لوں یہ مقام راولپنڈی سے بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ میں چند اور مشہور و تاریخی مقامات کے بھی دیکھنے کا موقع مل گیا راستہ میں ایک مقام مارگلا ہے۔ جہاں ایک چشمہ ہے اور جنرل جان نکلسن فاتح دہلی کی یادگار میں ایک مینار بنا ہے۔ ایک محراب میں جنرل مذکور کے کارنامے بھی لکھے ہوئے ہیں۔

وہ ١٨٤٣ء میں جنرل مذکور سکھوں سے لڑا پھر ١٨٤٥ء میں بھی سکھوں سے لڑا ١٨٤٨ء و ١٨٥٧ء کی لڑائیوں میں بھی اس نے حصہ لیا اور آخر دہلی فتح کر کے مارا گیا اس مقام کو دیکھکر ہم آگے بڑھے دوسرا دیکھنے کے قابل مقام سکھوں کا دربار صاحب تھا۔ جو یہاں عام طور پر پنجہ صاحب کے نام سے مشہور ہے اس مقام کے نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک انوکھی روایت یہ سننے میں آئی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب سکھوں کے باباگرونانک اس مقام پر پہنچے تو ان کو بہت پیاس لگی ادہر ادھر پانی تلاش کیا لیکن کسی جگہ ایک بوند پانی کی نہیں ملی نظر اوپر جو اٹھائی تو ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک مختصر سا مکان

دکھائی دیا ان کو یہ خیال آیا کہ اس مکان میں کوئی رہتا ہوگا اور اس کے پاس پانی ضرور ہوگا چنانچہ اپنے ساتھیوں کو پانی لانے کے لئے وہاں روانہ کیا آدمی پانی لانے کے لئے اس پہاڑی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ایک مسلمان درویش رہتے ہیں۔ جن کا نام بابا قندہاری معلوم ہوا اُن سے باباگرونانک کے لئے پانی مانگا گیا۔ تو درویش نے جواب دیا کہ اگر گرونانک میں کرامت ہے تو پانی وہیں۔ کیوں نہیں منگوا لیتے آدمیوں نے واپس آ کر گروجی سے یہ بات کہی۔ تو گرو صاحب نے اپنی کرامت دکھائی اور جو چشمہ پہاڑ پر تھا اُسے کھینچ کر اپنے قریب زمین پر لے آئے۔ اس پر بابا قندہاری کو بہت غصہ آیا انھوں نے طیش میں آ کر جس پہاڑ پر چشمہ تھا وہ پہاڑ ہی لڑھکا دیا۔ گرونانک نے جو پہاڑ کو نیچے آتے دیکھا تو ہاتھ بڑھایا اور پہاڑ کو روک لیا۔ یوں پہاڑ کو روک لینے سے گروجی کے پنجے کا نشان پہاڑ ہی پر رہ گیا۔ اور وہی نشان ہے جو آج پنجہ صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ اسکے قریب ہی ایک اور چشمہ ہے اس کا پانی اس قدر صاف وشفاف ہے کہ اس کے نیچے کے پتھر مثل الماس کے چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس چشمہ میں سیاہ رنگ کی سیکڑوں مچھلیاں ہیں۔ ایک بڑا حوض بنا دیا گیا ہے۔ اس میں یہ مچھلیاں رہتی ہیں۔ جنھیں کوئی پکڑتا نہیں۔ اس چشمہ کے متعلق سکھوں کا یہ یقین ہے کہ یہ وہی چشمہ ہے جس کو گرونانک نے اپنی کرامت سے پہاڑ پر سے کھینچا تھا اس حوض اور چشمہ کے متصل سکھوں نے اس کرامت کی یادگار میں ایک عالی شان مندر تیار کیا ہے جس میں ان کی مقدس کتابیں وغیرہ رکھی ہیں۔ ہم لوگوں نے ان سب مقامات کو اور مندر کو اندر جا کر بھی دیکھا۔ یہاں کی سیر سے فارغ ہو کر آگے روانہ ہوئے تو راستہ میں حسن ابدال ایک مقام آیا وہاں واہ[1] باغ ملا۔ یہ باغ اکبر کا بنایا ہوا ہے۔ جب وہ کشمیر جاتا تھا تو پنڈی کے قریب اس باغ میں قیام کرتا تھا۔ یہ باغ نہایت پر فضا مقام پر ہے سامنے بہت چوڑے پاٹ کی ندی بہتی ہے اس کے بعد پہاڑوں کا طویل

لہ باغ کا نام واہ

سلسلہ ہے اس باغ میں اکبر کی بنائی ہوئی دو عمارتیں ابتک موجود ہیں ان میں سے ایک مکان خستہ حالت میں ہے۔ دوسرے کی حالت ذرا بہتر ہے اس باغ میں ایک ارضی چشمہ ہے جس کا پانی اس قدر شفاف ہے کہ تہ تک نظر آتی ہے۔ اس کے پانی سے اُن دنوں ایک چکی چلائی جا رہی ہے۔ اور تمام باغ کو پانی پہنچایا جاتا ہے واہ باغ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب یہ باغ بنکر تیار و آراستہ ہوا اکبر بادشاہ نے اُسے دیکھا۔ اور بہت خوش ہوا۔ اور بے ساختہ اُس کے منہ سے نکل گیا۔ واہ چہ باغ است۔ جب سے لوگوں نے اُسے واہ باغ کہنا شروع کیا جس گاؤں میں یہ باغ ہے۔ وہ بھی واہ گاؤں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اب یہ باغ کپتان سکندر حیات خاں کے قبضہ میں ہے۔

یہاں سے روانہ ہوئے۔ پہلے ٹکسیلا کے عجائب خانہ میں پہونچے جبکہ ٹکسیلا کی کھدوائی ہو رہی تھی۔ جو پرانی چیزیں برآمد ہوئیں وہ سب نہایت قرینہ سے ایک مکان میں رکھی گئی ہیں۔ چوڑیاں کنگھیاں۔ موتی کی مالا۔ موسل چکیاں۔ صراحیاں۔ سونے چاندی کے برتن۔ غرض وہ تمام چیزیں جو اس زمانہ میں استعمال میں آتی تھیں۔ کوئی بری حالت میں کوئی اچھی حالت میں ہے۔ ہر قسم کے ہتھیار ہیں ان چیزوں کے دیکھنے سے طبیعت پر عجیب و غریب بے ثباتی عالم کا اثر ہوتا ہے کہ اب سے سیکڑوں سال قبل یہ اشیا باشندگان ہند کے استعمال میں آچکی ہیں۔ استعمال کرنے والوں کا کہیں پتہ نہیں ہے ان کے دیکھنے سے اس زمانہ کی معاشرت کے متعلق بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں ٹکسیلا کے عجائب گھر میں جانے کی کوئی فیس نہیں ہے۔ یہ عجائب گھر ٹکسیلا سے چار میل فاصلہ پر ہے۔ پہلے عجائب گھر آتا ہے بعد ٹکسیلا آتا ہے ٹکسیلا کے تمام آثار ایک پہاڑ پر ہیں وہاں بھی گئے۔ قدیم زمانہ کی یونیورسٹی کے آثار بھی نکل آئے ہیں۔ جس کی دیواریں گز دو گز اونچی ہیں مگر یونیورسٹی کا نقشہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ کہ کہاں طالب علم رہتے اور کہاں پڑھتے تھے مندر اور رشی مزار

بھی زمین سے برآمد ہوئے ہیں اس زمانہ کا یہ طریقہ تھا کہ مردوں کو جلا کر ان کی راکھ دفن کر دی جاتی تھی۔ اور قبر بنا دی جاتی تھی۔ اور قبروں پر چراغ جلائے جاتے تھے۔ بعض عمارتیں ایسی حالت میں ہیں کہ ان کی قدامت کا خیال کرنے سے یہ بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ فن تعمیر میں خاص ترقی ہو گئی تھی۔ ٹکسیلا دیکھ کر چار بجے مسکن پر واپس آئی۔

۷۔ نومبر ۲۹ء صبح کو علی بھائی صاحب کے ہاں ناشتہ کیا علی بھائی کی بہن اور بیگم عبد اللہ اور ان کے سب عزیز ملنے آئے تھے علی بھائی صاحب طیب علی صاحب کیپٹن بسر بچا یہ سب اسٹیشن پر آئے۔ نو بجے کی ریل سے ہم لاہور روانہ ہوئے دو اسٹیشن کے بعد سے ٹیلے کہیں غار دَرے کہیں میدان ملتا گیا گجرخاں (اسٹیشن کا نام ہے) جہلم اسٹیشن تک برابر اسی قسم کا میدان ملتا گیا۔ ممکن ہے پہلے زمانہ میں یہاں ندی ہو۔ اس لئے اس طرح کا میدان ہے جہلم کا پل بہت بڑا املا ایک میل لمبا ہو گا۔ دونوں طرف آدمی چلتے ہیں۔ بیچ سے ریل جاتی ہے اس شہر میں نمک کی کان ہے نمک بہت نکلتا ہے۔ شہر اچھا ہے ایک بجے لاہور موسیٰ اسٹیشن آیا یہ بہت بڑا جنکشن ہے تین چار ٹرینیں ایک وقت میں ٹھہر سکتی ہیں۔ اس کے بعد شہر گجرانوالہ آیا۔ پانچ بجے لاہور پہونچے مولوی ممتاز علی صاحب کو تار دے دیا تھا۔ ان کے ہاں سے موٹر آئی تھی۔ ہم مولوی صاحب کے ہاں ٹھہرے ہم جب کشمیر میں تھے تو مولوی صاحب نے ہمسے بہت اصرار کیا تھا کہ جب کشمیر سے لوٹئے تو ہمارے ہاں ٹھہرئیے ہمسے وعدہ کر لیا تھا۔ اور حمید علی صاحب۔ اور مسز حمید علی صاحب ہم سے بہت محبت سے ملے میری طبیعت نہایت سست و خراب ہے تھک گئی تھی نیند بھی نہیں آئی۔

سلسلہ ہے اس باغ میں اکبر کی بنائی ہوئی دو عمارتیں ابتک موجود ہیں ان میں سے ایک مکان خستہ حالت میں ہے۔ دوسرے کی حالت ذرا بہتر ہے اس باغ میں ایک ارضی چشمہ ہے جس کا پانی اس قدر شفاف ہے کہ تہ تک نظر آتی ہے۔ اس کے پانی سے اُن دنوں ایک چکی چلائی جا رہی ہے۔ اور تمام باغ کو پانی پہنچایا جاتا ہے واہ باغ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب یہ باغ بنکر تیار و آراستہ ہوا اکبر بادشاہ نے اُسے دیکھا۔ اور بہت خوش ہوا۔ اور بے ساختہ اُس کے منھ سے نکل گیا۔ واہ چہ باغ است۔ جب سے لوگوں نے اُسے واہ باغ کہنا شروع کیا جس گاؤں میں یہ باغ ہے۔ وہ بھی واہ گاؤں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اب یہ باغ کپتان سکندر حیات خاں کے قبضہ میں ہے۔

یہاں سے روانہ ہوئے۔ پہلے ٹکسیلا کے عجائب خانہ میں پہونچے جہاں ٹکسیلا کی کھدوائی ہو رہی تھی۔ جو پرانی چیزیں برآمد ہوئیں وہ سب نہایت قرینہ سے ایک مکان میں رکھی گئی ہیں۔ چوڑیاں کنگھیاں۔ موتی کی مالا۔ موسل چکیاں۔ صراحیاں۔ سونے چاندی کے برتن۔ غرض وہ تمام چیزیں جو اس زمانہ میں استعمال میں آتی تھیں۔ کوئی بری حالت میں کوئی اچھی حالت میں ہے۔ ہر قسم کے ہتھیار ہیں ان چیزوں کے دیکھنے سے طبیعت پر عجیب وغریب بے ثباتی عالم کا اثر ہوتا ہے کہ اب سے سیکڑوں سال قبل یہ اشیا باشندگان ہند کے استعمال میں آچکی ہیں۔ استعمال کرنے والوں کا کہیں پتہ نہیں ہے ان کے دیکھنے سے اس زمانہ کی معاشرت کے متعلق بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں ٹکسیلا کے عجائب گھر میں جانے کی کوئی فیس نہیں ہے۔ یہ عجائب گھر ٹکسیلا سے چار میل فاصلہ پر ہے۔ پہلے عجائب گھر آتا ہے بعد ٹکسیلا آتا ہے ٹکسیلا کے تمام آثار ایک پہاڑ پر ہیں وہاں بھی گئے۔ قدیم زمانہ کی یونیورسٹی کے آثار بھی نکل آئے ہیں۔ جس کی دیواریں گز دو گز اونچی ہیں مگر یونیورسٹی کا نقشہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ کہ کہاں طالب علم رہتے اور کہاں پڑھتے تھے مندر اور رشی مزار

بھی زمین سے برآمد ہوئے ہیں اس زمانہ کا یہ طریقہ تھا کہ مردوں کو جلا کر ان کی راکھ دفن کر دی جاتی تھی۔ اور قبر بنا دی جاتی تھی۔ اور قبروں پر چراغ جلائے جاتے تھے۔ بعض عمارتیں ایسی حالت میں ہیں کہ ان کی قدامت کا خیال کرنے سے یہ بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ فن تعمیر میں خاص ترقی ہو گئی تھی۔ ٹکسیلا دیکھ کر چار بجے سکن پر واپس آئی۔

۷۔ نومبر ۲۹ء صبح کو علی بھائی صاحب کے ہاں ناشتہ کیا علی بھائی کی بہن اور بیگم عبداللہ اور ان کے سب عزیز ملنے آئے تھے علی بھائی صاحب طیب علی صاحب کیپٹن پسر بچا یہ سب اسٹیشن پر آئے۔ نو بجے کی ریل سے ہم لاہور روانہ ہوئے دو اسٹیشن کے بعد سے ٹیلے کہیں غار درے کہیں میدان ملتا گیا گجر خاں (اسٹیشن کا نام ہے) جہلم اسٹیشن تک برابر اسی قسم کا میدان ملتا گیا۔ ممکن ہے پہلے زمانہ میں یہاں ندی ہو۔ اس لئے اس طرح کا میدان ہے جہلم کا پل بہت بڑا ملا ایک میل لمبا ہو گا۔ دونوں طرف آدمی چلتے ہیں۔ بیچ سے ریل جاتی ہے اس شہر میں نمک کی کان ہے نمک بہت نکلتا ہے۔ شہر اچھا ہے ایک بجے لاہور موسیٰ اسٹیشن آیا یہ بہت بڑا جنکشن ہے تین چار ٹرینیں ایک وقت میں ٹھہر سکتی ہیں۔ اس کے بعد شہر گجرانوالہ آیا۔ پانچ بجے لاہور پہونچے مولوی ممتاز علی صاحب کو تار دے دیا تھا۔ ان کے ہاں سے موٹر آئی تھی۔ ہم مولوی صاحب کے ہاں ٹھہرے ہم جب کشمیر میں تھے تو مولوی صاحب نے ہم سے بہت اصرار کیا تھا کہ جب کشمیر سے لوٹئے تو ہمارے ہاں ٹھہرئیے ہم سے وعدہ کر لیا تھا۔ اور حمید علی صاحب۔ اور مسز حمید علی صاحب ہم سے بہت محبت سے ملے میری طبیعت نہایت سست وخراب ہے تھک گئی تھی نیند بھی نہیں آئی۔

مقام لاہور

۸۔ نومبر ۱۹۲۸ء:۔ صبح کو محبوب عالم صاحب آئے بہت گلہ کیا کہ آپ ہمارے ہاں کیوں نہیں ٹھہرے۔ لیڈی عبدالقادر صاحب سے ملنے گئی۔ وہ مجھے دیکھکر نہایت خوش ہوئیں۔ چھوٹتے ہی کہا آپ ہمارے ہاں کیوں نہیں ٹھہریں ہمارے ہاں چلی آئیے کہاں ٹھہریں ہیں۔ میں نے اُنکا شکریہ ادا کیا کہا مولوی ممتاز علی صاحب سے وعدہ کر لیا تھا اس لئے ان کے ہاں ہم ٹھہرے ہیں۔ انھوں نے کہا آپ کے لئے میں ایک جلسہ کرنا چاہتی ہوں آپ تقریر کیجئے چند روز لاہور میں ٹھہر جائیے اور پرسوں آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیے۔ وہاں سے میں لیڈی شاہ دین صاحبہ اور بیگم بشیر احمد صاحبہ ایڈیٹر ہمایون سے ملنے گئی ان لوگوں نے بھی یہی گلہ کیا جو لیڈی عبدالقادر صاحبہ نے کیا تھا۔ کہ ان کے ہاں ہم کیوں نہیں ٹھہرے مسز بشیر احمد صاحبہ نے ۱۰۔ نومبر کو بارہ بجے کے کھانے پر بلایا ہے۔ میری طبیعت وہاں سے آتے ہی خراب ہو گئی۔ ڈاکٹر عبداللہ صاحب کا علاج شروع کیا۔ بیرسٹر صاحب عزیز احمد صاحب وغیرہ کے پاس ملنے گئے وہ جب واپس آئے تو ان کو سخت زکام ہو گیا۔ اور آواز بالکل بھاری ہو گئی بات نہیں ہو سکتی تھی غرض ہم بیمار ہو گئے۔ بیماری بھی ایک عجیب مصیبت ہے کہ انسان مجبور و لاچار ہو جاتا ہے ہم کو مجبوراً چند روز لاہور ٹھہرنا پڑا۔ لیڈی عبدالقادر صاحبہ کو اور بیگم شاہ دین صاحبہ کے پاس کہلا بھیجا کہ دعوت ابھی موقوف کیجئے۔ یہاں سے میں لاہور کا سفرنامہ تاریخ وار نہیں لکھونگی۔ کہیں تاریخ دونگی کہیں نہیں۔ کیونکہ میں مختصر لکھنا چاہتی ہوں مولوی ممتاز علی صاحب کو بہت افسوس تھا کہ میری طبیعت اور بیرسٹر صاحب کی طبیعت یک بیک خراب ہو گئی۔ ہر وقت مولوی صاحب ہمارے پاس بیٹھا کرتے ادھر اُدھر کی گفتگو رہتی

مولوی صاحب کی مہربانی و محبت ہم کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ لیڈی عبدالقادر صاحبہ کو جب معلوم ہوا میرا مزاج نادرست ہے وہ مجھ سے ملنے آئیں۔ انکی والدہ صاحبہ بھی آئیں۔ میرے آٹو گراف البم میں اپنے اشعار لکھے ان لوگوں کو میری علالت کا بہت رنج ہے۔

دوسرے روز محبوب عالم صاحب کی بی بی اور بہو آئیں۔ ان کی بھی یہی شکایت تھی کہ میں ان کے ہاں نہیں ٹھہری ایک روز مسز عزیز احمد اور مسٹر عزیز احمد صاحب بیرسٹر آئے۔ ان کا گلہ بہت بڑھا ہوا تھا کہ کشمیر جاتے وقت صرف ایک روز آپ ٹھہرے اور واپسی میں بھی ہمارے ہاں نہیں ٹھہرے میری طبیعت کوئی چھ سات روز تک خراب رہی اس کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ خان فضل محمد خاں صاحب ان دنوں لاہور میں تھے۔ پرتکلف بارہ بجے کھانے کی دعوت دی سر عبدالقادر صاحب نے دعوت کی مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار کی بی بی اور بہو مجھ سے ملنے آئیں یہ لوگ حیدر آباد میں جب تھے تو مجھ سے ملاقات تھی۔ بیرسٹر صاحب راجہ نرندر ناتھ سابق کمشنر لاہور سے ملنے گئے۔ خواجہ کمال الدین صاحب علیل ہیں۔ ان سے ملاقات کی۔

۱۴۔ نومبر۔ کو لیڈی عبدالقادر صاحب اور لیڈی فضل حسین صاحب میرے ہاں آئیں۔ مجھے ہمراہ لے کر کلب کو گئیں اس کلب کا جلسہ ماہانہ ہوا کرتا ہے۔ لیڈی عبدالقادر صاحب نے بہت سے لوگوں سے مجھ کو ملایا لیڈی ذوالفقار علی خاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ نواب منظور جنگ کی خالہ زاد بہن ہیں۔ انھوں نے میرے ہاں آنے کہا ہے نعمت اللہ صاحب کی بی بی نے ۱۶۔ نومبر کو مجھے چار پر بلایا ہے۔ لیڈی عبدالقادر صاحب نے ۱۷۔ کو چار پر بلایا ہے۔ ان کے عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ پریشان ہیں ورنہ میرے لئے وہ جلسہ

کرنے والی تھیں۔ اور کل ۱۵۔ ڈسمبر کو رانی فرید کوٹ نے بلایا ہے لیکن میں نے معافی چاہی ہے۔ گھر پر آئے تو بہت سے خطوط ملے پنڈی کشمیر حیدر آباد بمبئی۔ غرض ہر جگہ سے خطوط آئے۔

۱۵۔ نومبر ۱۹۲۸ء عزیز الرحمٰن صاحب ایڈیٹر رسالہ نورجہاں بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے۔ ان کا اصرار ہے کہ ہم چندروز لاہور میں ٹھہر جائیں۔ وہ امرت سر میں ایک جلسہ کرنا چاہتے ہیں جسمیں میں تقریر کروں ہمنے کہا زیادہ عرصہ تک ہم لاہور میں قیام نہیں کر سکتے۔ اب جلد ہم کو دہلی جانا ہے۔ عزیز الرحمان صاحب اور مولوی ممتاز علی صاحب سے رنجید گی تھی۔ بیرسٹر صاحب نے ان دونوں میں صلح کروائی۔ بیرسٹر صاحب عزیز احمد بیرسٹر کے ہاں دعوت میں سدہارے۔

۱۶۔ نومبر کو لیڈی شاہ دین صاحب کے ہاں کھانے کی دعوت میں گئی۔ لیڈی شاہ دین صاحبہ تو پردہ کرتی ہیں۔ لیکن انکی بہو غیر پردہ نہیں کرتین بیگم شبیر احمد صاحب مسز شاہ نواز صاحب مسز کملا چٹو پدہیاوغیرہ کھانے پر موجود تھیں۔ کھانا کھاکر ادھر اُدھر کی باتیں رہیں۔ جسٹس شاہ دین صاحب مرحوم اور بیرسٹر صاحب یورپ میں ساتھ تھے۔ چار بجے یہاں سے بیگم نعمت اللہ صاحب کے ہاں چائے کی دعوت میں گئی۔ انھوں نے بہت سی بیبیوں کو چاء پر بلایا تھا وہاں سے اپنے قیام گاہ پر آئی۔ آٹھ بجے سر محمد شفیع صاحب کے ہاں ڈنر میں گئی۔ لیڈی شفیع صاحب اور سر محمد شفیع صاحب دونوں نے بیرسٹر صاحب سے گلہ شروع کیا کہ آپ یکایک آئے۔ ہم کو خط تک نہیں لکھا نہ تار دیا ہم کو غیر سمجھا یہ گھر تمھارا تھا پرانی دوستی کو دوستی سمجھنا چاہیئے۔ بیرسٹر صاحب نے کہا کیا کروں ممتاز علی صاحب نے کشمیر میں ہم سے وعدہ لے لیا تھا اس لیئے ان کے ہاں ٹہرے۔ لیڈی شفیع صاحبہ سے اور مجھ سے یہ پہلی ملاقات تھی

اور بیرسٹر صاحب کی سر محمد شفیع صاحب کی پُرانی دوستی ہے۔ یہ دونوں یورپ میں ساتھ تھے۔ چوبیس آدمیوں کا ڈنر تھا۔ سب بڑے بڑے معززین مدعو تھے۔ گھروالوں میں۔ بیگم شاہ نواز صاحب۔ بیگم بشیر احمد صاحب اصغری رفیع صاحب مسٹر رفیع صاحب۔ بیگم شاہ نواز صاحبہ نے کہا کل آپ کو میں کوین میری کالج دکھانے کے لیئے لے چلونگی۔ میں نے کہا ضرور چلئے۔ میں تیار رہونگی کھانے کے بعد شاہ نواز صاحب کی لڑکی مس ممتاجہان نے اپنی نظم انگریزی میں پڑہیے جو نہایت اچھی طرح پڑھی اور نظم بھی بہت اچھی تھی۔ مسز کملا دیوی نے ہارمونیم بجاکر گایا غرض بہت اچھا وقت گذرا

لالہ لاجپت رائے کی وفات

۱۷۔ نومبر صبح کو دس بجے سر محمد شفیع صاحب کی موٹر آئی میں اور بیگم شاہ نواز کوین میری کالج دیکھنے گئے یہ کالج بہت بڑا ہے اس میں سینئر کیمبرج تک پڑھائی ہوتی ہے ڈیڑھ سولڑکیاں تعلیم پاتی ہیں ستر لڑکیاں بورڈر ہیں۔ جو لڑکیاں بورڈر ہوتی ہیں ماہانہ فیس للعہ دینا ہوتا ہے جو لڑکیاں بورڈر نہیں۔ صرف پڑھ کر چلی جاتی ہیں۔ ان سے فیس ماہانہ عہ لی جاتی ہے اس کالج میں بڑے بڑے امیر اور عہدہ داروں کی لڑکیاں شریک کی جاتی ہیں عام طور پر جو لڑکی آئے۔ اس کو شریک نہیں کرتے سلائی بھی بہت اچھی ہوتی ہے اسکول میں باغ ہے۔ بہت بڑا اسکول ہے بہت بڑی عمارت ہے وہاں سے میں اور بیگم شاہ نواز صاحبہ لیڈی شفیع صاحبہ کے ہاں آئے۔ انھوں نے مجھ کو کھانا کھلایا یہاں معلوم ہوا کہ لالہ لاجپت رائے نے انتقال کیا دل کی حرکت بند ہو گئی ہندو کہتے ہیں پولیس نے جو لاٹھی ماری تھی اس کے سبب سے دل پر اثر ہوا۔ ہم سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ میرے لئے ٹیلفون آیا پھر عزیز الرحمان صاحب ایڈیٹر رسالہ

نور جہاں نے ٹیلیفون کیا ہے کہ امرت سر سے اہلیہ ڈاکٹر سیف الدین
کچلو مجھ سے ملنے آئی ہیں یہ سنکر میں اُٹھی ۔ میں اور کملا دیوی یعنی مسز
سروجنی نائیڈو کی بھاوج مس لیلامنی نائیڈو کے ہاں گئی ان کو معلوم
نہیں تھا کہ میں لاہور آئی ہوں مجھ سے کہا کہ آپ ہمارے کالج میں آیئے
ہمارا کالج دیکھئے مس لیلامنی کے ہاں میں ٹھہری نہیں فوراً اپنے
قیام گاہ پر آئی ۔ مسز کچلو ۔ میری منتظر بیٹھی تھیں ۔ مجھ سے کہا آپ سے
ملنے کو دل بہت چاہتا تھا اچھا ہوا جو آپ لاہور آئیں ۔ لالہ لاجپت
رائے کا انتقال ہو گیا ہے جنازہ جلوس سے نکلنے والا ہے اگر آپ
بھی چلیں تو اچھا ہے میں نے کہا میں ضرور چلوں گی ممکن ہے کہ
آپ نے بہت سے لیڈروں کے جنازے دیکھے ہونگے ۔ میں نے
آج تک کسی لیڈر کا جنازہ نہیں دیکھا ہے ۔ مسز کچلو نے ہنسکر کہا اچھا
آپ کو لیڈر کا جنازہ دکھادوں میں نے کہا یہ سہرا آپ کے سر رہیگا
کہ آپ نے مجھے ہندو لیڈر کا جنازہ دکھایا وہ ہم مل کر موٹر میں سوار
ہو کر گئے ۔ سڑک پر ایک کنارے ایک مقام پر موٹر کھڑی کر دی ہمیں
بیٹھے بیٹھے جلوس دیکھا کئے ۔ لاکھوں آدمیوں کا ایک دریا تھا ۔
کہ چلا آرہا تھا ۔ پندرہ بیس آدمی مل کر اُردو نظم لالہ جی کی وفات پر
جو بنائی گئی تھی پڑھتے ہوئے گزرے اس کے بعد پندرہ بیس سکھ اپنی
زبان میں نظم پڑھتے گزرے بہت سے اسکولوں کے لڑکے غول
کے غول نظم پڑھتے گزرے عورتیں سفید سفید کپڑے پہن کر نظم
پڑھتی گزریں ۔ ان سب کے گزرنے کے بعد جنازہ آیا بہت بڑا
موٹا آدمی تھا ۔ لاش پر گیندے کے پھول بہت سے پڑے ہوئے
تھے ۔ اور منھ کھلا ہوا تھا جنازے کے پیچھے بھی لاکھوں آدمی جارہے
تھے آریہ سماج کا بہت بڑا لیڈر آج دنیا سے اُٹھ گیا

چند گھنٹوں کے عرصہ میں بہت سی نظمیں لالہ جی کی وفات پر بنادی گئیں یہ سب
ہندوؤں کا جوش بہت سے مسلمان بھی جنازہ کے ہمراہ تھے جو لوگ جلوس
میں تھے سب کے سر کھلے ہوئے تھے میرے خیال میں اس طرح کے
جلوس سے کسی اور لیڈر کا جنازہ نہ اُٹھایا گیا ہوگا ہندوؤں کو یہ جوش
تھا کہ پولیس کی لاٹھیوں کی وجہ لالہ جی نے وفات پائی اس خیال سے بھی
لالہ جی کی وفات کا سب کو بہت رنج تھا ۔ جلوس گزرنے کے بعد ہم لوگ واپس
آئے مسز کچلو صاحبہ کا شکریہ میں نے ادا کیا وہ امرتسر چلی گئیں ان کے جانے کے بعد
مسز رشیدہ لطیف بیگ صاحبہ مجھ سے ملنے آئیں ۔ انھوں نے ایک
اسکول قایم کیا ہے ۔ مڈل تک پڑھائی ہوتی ہے ۔ اس کا ذکر رہا محبوب عالم
کی بہو آئیں پانچ بجے میری دعوت لیڈی عبدالقادر صاحب کے ہاں چار کی
میں وہاں گئی ۔ میرے مہمان اپنے اپنے گھر چلے گئے میں دعوت میں گئی لیڈی
عبدالقادر صاحب نے بہت تکلف سے ہماری دعوت کی تھی اور چند بیبیوں
کو بلایا تھا بار بار وہ مجھ سے کہتی جاتی تھیں میں آپ کے لئے جلسہ کرنا چاہتی
تھی ۔ آپ کی تقریر لاہور کی خواتین کو سنانے والی تھی لیکن میں مجبور ہوں
ایک بھائی نے یورپ میں وفات پائی ہے ۔ اس لئے میں کچھ کہہ نہیں سکتی ادھر
اُدھر کی باتیں رہیں ۔ وہاں سے اپنے قیام گاہ پر آئی بہت سے خطوط ملے لیڈی
ذوالفقار علی خاں صاحب نے لکھا ہے کل وہ مجھ سے ملنے آئینگی ۔ مسز دتا
نے چائے پر بلایا ہے ۔ حیدرآباد سے ہماری خیریت دریافت کرنے کے لئے رئیس
علی مرزا نے تار دیا ہے ۔ اور محمد رضا کا تار بھی آیا ہے ۔ میں تو اچھی ہو گئی دعوتیں
کھا رہی ہوں ۔ حیدرآباد میں میرے عزیز مجھے بیمار سمجھ کر پریشان ہیں معلوم ہوا
کہ نظام الدین صاحب کی بی بی اور لڑکیاں مجھ سے ملنے آئی تھیں ۔ شام
کا کھانا مولوی ممتاز علی صاحب کے ہمراہ کھایا مولوی صاحب گھنٹوں مجھ سے
باتیں کرتے رہتے ہیں بیرسٹر صاحب کی باتوں سے مولوی صاحب کو بڑی دلچسپی ہے

دعوتیں اور کالج و مسجد وغیرہ کا معائنہ

۱۸۔ نومبر ۱۹۲۶ء آج بارہ بجے کے کھانے کی دعوت میری اور بیرسٹر صاحب
ں مولوی صاحب وغیرہ کی محبوب عالم صاحب کے ہاں تھی۔ بیرسٹر صاحب تو ت
ں سدھارے میں نہیں جا سکی کیونکہ کل تمام دن دعوتوں میں گئی تھی تھک کر
ر چور ہو گئی۔ بیرسٹر صاحب نے دعوت سے واپس آکر کہا کہ تکلف سے دعوت
تھی۔ سر عبدالقادر صاحب کو اور بہت سے لوگوں کو بلایا تھا خان فضل محمد خاں
احب بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے کل بارہ بجے کے کھانے کی دعوت دیکر
ئے۔ لیڈی ذوالفقار علی خاں صاحب مجھ سے ملنے آئیں۔ دیر تک باتیں
ہیں۔ حیدرآباد میں جو ان کے عزیز ہیں ان کی خیریت دریافت کرتی رہیں۔
ن کے جانے کے بعد ڈاکٹر عبداللہ صاحب کی بی بی آئیں اور مولوی ممتاز علی صاحب
ں بھانجی آئیں پانچ بجے میں بیرسٹر صاحب حمید علی صاحب حیدر علی مرزا مسز دتا
ے ہاں چار کی دعوت میں گئے مسز دتا مسز ایلیمین بزجی کی لڑکی ہیں۔ انھوں نے
ت سی بیبیوں کو بلایا تھا چاء کے بعد مسز دتا نے گایا بہت اچھا گانا گاتی ہیں
ہاں سے واپس آکر بیرسٹر صاحب حفیظ الرحمان صاحب جو انسائیکلو پیڈیا
ردو میں لکھ رہے ہیں ان کے پاس سدھارے۔ انھوں نے بہت تکلف
ے ڈنر دیا تھا بہت سے لوگوں کو بلایا تھا آج بھی حیدرآباد سے بہت سے خطوط
ئے میں نے آج بہت سے خطوط کے جوابات لکھے مسز حمید علی صاحب سے دیر تک
تیں رہیں۔ اُن کا مزاج درست نہیں رہتا ہے۔

۱۹۔ نومبر ۱۹۲۶ء آج صبح کو میں بیرسٹر صاحب حیدر علی مرزا حمید علی صاحب
نانہ لاہور کالج دیکھنے گئے جہاں مس لیلامنی نائیڈو (حیدرآبادی) پروفیسر ہیں
ھوں نے مجھے تمام کالج بتایا کالج کی پرنسپل سے ملایا اس کالج میں بی۔ اے تک
ائی ہوتی ہے۔ پنڈت موتی لال نہرو کی بھانجی بھی اسی کالج میں پروفیسر ہیں

اور خدیجہ بیگم صاحبہ۔ ایم۔ اے۔ بھی اسی کالج میں تعلیم دیتی ہیں (۲۰۰) لڑکیاں
بورڈر ہیں یہاں سے ہم صنعت و حرفت کا کالج دیکھنے گئے یہ بہت اچھا بہت بڑا کالج ہے
یہاں لڑکیوں کی دستکاری رکھی ہوئی ہے ایک بہت بڑے ہال میں نہایت
خوبصورت خوبصورت سامان رکھا ہے سب چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔ ہم نے بھی
کچھ خرید کیا وہاں سے میوزیم دیکھنے گئے عمارت عالی شان اور دیکھنے کے لایق
ہے آیل پینٹنگ اور واٹر کلر کی قدیم تصویروں کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہے قدیم قلمی
فارسی عربی کتابیں بھی ایک بڑے کمرہ میں جمع ہیں بعض نسخے نایاب ہیں بعض
کمروں میں قدیم زمانے کی وہ اشیا جو زمین کی کھدوائی کے بعد نکلی ہیں موجود ہیں
اس میں زیادہ تر بودھ مذہب والوں کے پتھر کے چھوٹے بڑے سیکڑوں بت
سالم اور کچھ ٹکڑے ہیں پرانے شال اور کپڑے ہیں۔ میوزیم کے داخلہ کی
فیس نہیں ہے وہاں سے ہم اپنے قیام گاہ پر واپس آئے۔ بارہ بجے کی
کھانے کی دعوت خان فضل محمد خاں صاحب نے بیرسٹر صاحب کی اور انکے
میزبانوں کی کی تھی چنانچہ بیرسٹر صاحب حیدر علی مرزا مولوی ممتاز علی صاحب
حمید علی صاحب خاں صاحب موصوف کے ہاں گئے بیرسٹر صاحب کے قدیم ملنے والوں
میں ہیں۔ کچھ عرصہ تک خاں صاحب حیدرآباد میں نائب ناظم تعلیمات رہ چکے
ہیں اور اب خدمت نظامت پر بہ تقرر ماہوار ڈھائی ہزار روپئے۔ چند روز
میں حیدرآباد جانے والے ہیں۔

قلعہ لاہور

دو بجے ہم سب لاہور کا قلعہ دیکھنے گئے لاہور بہت بڑا اور قدیم شہر
ہے بعد محمود غزنوی ۴۱۲ھ میں اسلامی سلطنت یہاں قایم ہوئی اس
زمانہ سے لیکر لودھیوں کے آخری اور مغلیہ حکومت کے ابتدائی دو بادشاہوں
نے یہاں قلعہ تعمیر کرنے کی ضرورت محسوس کی اکبر اعظم کے زمانہ سے مغلیہ

حکومت کا عہد زریں شروع ہوا اور اکبر نے لاہور کی آبادی کو رونق دینے کے لئے ایک عظیم الشان قلعہ کی تعمیر ضرورت محسوس کی اور خشتی قلعہ بنوایا عالیشان ایوانات تعمیر کروائے قلعہ کے حصار کی دیوار اس قدر چوڑی ہے کہ اس پر بڑی توپ آسانی سے چل سکتی ہے اور بہت بلند پختہ یہ قلعہ شہر کے شمال مغربی حصہ میں ہے شاہی ایوانات کی دیواروں پر منقش تصویریں مرزا رستم سابق شاہ قندہار کی۔ خان خاناں۔ راجہ مان سنگھ۔ خان اعظم وغیرہ کی جو بڑی شان و شوکت سے بیٹھے ہوئے ہیں دکھائی دیتی ہیں۔ گو اکبر خود مذہبی قیود سے آزاد تھا مگر اپنے مسلمانی درباریوں اور اُمرا کے لئے دیوان عام کے سامنے ایک چبوترہ پر مسجد بنوائی اس زمانہ میں دریائے راوی کی لہریں اور موجیں قلعہ کی دیواروں سے ٹکراتی تھیں اب دریائے راوی قلعہ سے دو میل دور ہو گیا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ قلعہ کے اندر مشرق کی طرف جو محلات و مکانات ہیں وہ عہد اکبری کی یادگار ہیں اکبر کے فرزند جہانگیر نے قلعہ کی عمارات کو بہت توسیع دی برج تما بہت سی عمارتیں اس کی بنوائی ہوئی ہیں جہانگیر نے بھی اپنے زمانہ میں عمارات کی دیواروں پر تصویریں بنوائیں بعض تفریح طبع کے لئے اور بعض سے تاریخی حالات کا انکشاف ہوتا ہے ایک تصویر تو خود جہانگیر کی ہے پھر اس کے بیٹوں سلطان پرویز اور شہزادہ خرم کی راجہ جگن ناتھ مرزا شریف وغیرہ کی ہیں۔ ایک مقام پر بابر اور اُس کے تیس امرائے درباری بیٹھے ہیں۔ خاص واقعات کے جلوسوں کی تصویریں ہیں۔ جہانگیر نے اپنی عمر کا آخری حصہ اپنی پیاری ملکہ نور جہاں کے ساتھ اسی قلعہ میں بسر کیا جہانگیر نے بھی بیگمات اور حرم سرا کی عورتوں کے لئے ایک مسجد بنوائی نام اس کا موتی مسجد رکھا شاہجہان نے اپنے عہد میں بہت کچھ اضافہ اس قلعہ میں کیا بادشاہ فطرتاً عمارت کا دلدادہ تھا دلی کی طرح یہاں بھی اس نے دیوان عام کی عالی شان عمارت بنوائی

چہل ستون چالیس یوم میں تیار کروایا۔ چہل ستون کی عمارت ستر گز لمبی اور بائیس گز چوڑی ہے اس کا کٹہرا سارا چاندی کا تھا تین طرفین کھلی ہیں جسمیں سے منصب دار و امرا آتے جاتے تھے اور حسب مراتب اپنے اپنے مقامات پر بیٹھ جاتے تھے اس عمارت کے آگے ایک وسیع صحن تھا۔ جس کے گرد رنگین چوبی کٹہرا تھا اور مخمل و زربفت کا سائبان کھڑا کیا جاتا تھا عمارت دیوان خاص دہلی کے لال قلعہ کی طرح یہاں بھی بنوائی مثمن برج کی عمارت سنگ مرمر کی ہے۔ شیش محل بھی بنوایا یہ عمارتیں اب بھی محفوظ ہیں۔ مغربی جانب ایک نولکھا محل ہے خوشنما پتھر کے بنے ہوئے۔ پھولوں سے جو دیواروں پر نصب ہیں سجایا گیا ہے۔ قلعہ کے اندر جہاں مسجدیں ہیں ایک جانب ایک مندر بھی ہے شاہجہاں کے عہد کا ہے جس سے سلاطین مغلیہ کی رواداری و فراخدلی کا ثبوت ملتا ہے کس قدر ہندوؤں کی دلدہی کی جاتی تھی۔ عالمگیر شاہزادگی کے زمانہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ اس قلعہ میں رہا تھا۔ عالمگیر نے اپنے دور حکومت میں کچھ اضافہ اور ترمیم کی تھی۔ عالمگیر نے قلعہ کے باہر اور ایک پھاٹک کے سامنے ایک عالی شان مسجد بنوائی۔ جو اب بھی اچھی حالت میں ہے اس مسجد کے اندر جس کا صحن بہت وسیع ہے ایک طرف دو منزلہ عمارتیں ہیں جو طلبا کے لئے دار الاقامہ کا کام دیتی تھیں رنجیت سنگھ قوم سکھ نے جب لاہور پر قبضہ کیا تو سکونت اسی قلعہ میں اختیار کی۔ قلعہ کے باہر اس کا سمادھ بنایا گیا ہے۔ اس قلعہ میں ایک لمبے کمرے میں قدیم زمانہ کے ہتھیار اقسام کے بطور نمایش رکھے ہیں۔ شیش محل جس عمارت کا نام ہے۔ تمام آئینہ کاری ہے اسمیں ایک گول کمرہ ہے اس کی چھت پر تمام آئینہ کا عجیب و غریب خوبصورت کام ہے ایک شخص نے جو قلعہ کا محافظ ہے۔ اس گول کمرے کے دروازے اندر بند کر لئے ہم پہلے سے اسمیں داخل ہو چکے تو دیاسلائی روشن کی اس کی روشنی چھت پر پڑی تو چاند تارے چمکنے لگے ایک کمرہ ایک جانب تہ خانے میں ہے۔ معلوم

ہوا کر کوئی ترکیب کی جاتی تھی جس کی وجہ سے جاڑوں میں جب بادشاہ اس میں بیٹھتے تھے تو سردی مطلق محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور گرمیوں میں بڑی ٹھنڈک رہتی تھی

آثار قدیمہ کے مہتمم سید ظفر حسین صاحب اسی قلعہ میں رہتے ہیں۔ انکے عیال و اطفال بھی یہیں ہیں ان کی اہلیہ سے مسٹر حمید علی سے ملاقات ہے انکے ہمراہ ملنے کے لئے جب میں اندر گئی تو انھوں نے اصرار کیا کہ چاء پیو مگر قلت وقت کی وجہ سے معذرت کی اور شکریہ ادا کر کے چلی آئی۔ یہ قلعہ بہت تاریخی ہے۔ بڑے بڑے واقعات خوشی وغم دونوں کے یہاں پیش آئے۔

قلعہ کے باہر آکر وہ مسجد شاہی دیکھی جس کا مختصر سا ذکر اوپر ہو چکا ہے اسکے ستون سنگ مرمر و سیاہ کے ہیں اس کا صحن دہلی کی جامع مسجد سے کہیں بڑا ہے میں نے وضو کیا نماز پڑہی

بقیہ حالات لاہور

مذکور الصدر عظیم الشان مسجد کو دیکھ کر اور نماز پڑھ کر باہر آئے۔ اسکے بعد سنہری مسجد دیکھی یہ مسجد بھی بہت قدیم ہے دہلی دروازہ سے ہو کر شہر کے اندر داخل ہوئے۔ دہلی دروازہ بہت بڑا ہے اندرون شہر قدیم سڑکیں بہت تنگ ہیں۔ دو موٹریں بیک وقت دقت سے چلتی ہیں۔ چنانچہ ہماری موٹر کو ایک چھکڑے سے ٹکر ہوئی مڈگارڈ میں خمی آئی۔ سکن پر آکر منہ ہاتھ دھو یا کپڑے بدلے لیڈی ذوالفقار علی خاں صاحب کے ہاں چاء کی دعوت میں گئی۔ وہاں تھوڑی دیر ٹھہری ادہر اُدہر کی باتیں رہیں وہاں سے اورینٹل کانفرنس میں گئی۔ لیڈی عبدالقادر نے مجھ کو مدعو کیا تھا اس کانفرنس میں باہر بیرسٹر صاحب بھی مدعو تھے یہ کانفرنس مردانہ ہے۔ آج ایٹ ہوم بھی تھا اور افتتاحی جلسہ بھی تھا۔ گورنر پنجاب نے افتتاح کیا۔ پردے کا انتظام زنانہ کے لئے تھا میں جب گئی تو لیڈی عبدالقادر کو منتظر پایا وہاں سے سات بجے سکن پر

واپس آئی۔ میرا ہمشیر زادہ سید صادق جو علیگڈھ میں زیر تعلیم ہے کانفرنس میں شرکت کی غرض سے دو چار روز کے لئے لاہور آیا ہوا ہے وہ مجھ سے ملنے آیا

۲۱۔ نومبر ۱۹۲۸ء صبح کو ہم سب نے ناشتہ کیا بیرسٹر صاحب کانفرنس میں گئے۔ میں نے چند خطوط لکھے اخبار رہبر دکن کا وہ نمبر جسمیں کشمیر کے سفر کے حالات (بعنوان سرزمین کشمیر اور ہم) چھپے ہیں حیدرآباد سے آیا وہ دیکھا۔ تین بجے چڑیا گھر دیکھنے گئے لندن اور پیرس وغیرہ کے چڑیا گھر دیکھنے کے بعد میرے نزدیک کوئی اعجوبہ چیز نہیں تھی بہرحال غنیمت ہے داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ تیسرے پہر کو بعض بیبیاں مجھ سے ملنے آئیں آج شب کو مسز کملا دیبی چٹو پدہیا کا لکچر زیر صدارت سر محمد شفیع وا ی۔ ایم سی۔ اے۔ ہال میں ہونیوالا ہے۔ مجھ سے بھی فرمایش کی گئی کہ میں بھی کچھ بولوں شب کے آٹھ بجے سر محمد شفیع کے ہاں سے میرے لئے موٹر آئی۔ میں لکچر ہال میں گئی۔ بیگم شاہ نواز اور ان کے والد سر محمد شفیع نے مجھ کو اپنے قریب بٹھایا۔ مسز چٹو پدہیا کا لکچر ہونے کے بعد میں کھڑی ہوئی اور برقعہ و نقاب میں تھی۔ انڈیا میں میرے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ مردانہ جلسہ میں تقریر کرنے کھڑی ہوئی تھی سر محمد شفیع نے سامعین سے میرا تعارف کرایا اور میری بہت کچھ تعریف اپنی تقریر کے ذریعہ کی میں نے اپنی تقریر میں تعلیم پر اور عورتوں کے حقوق پر مردوں نے جو غصب کر لئے ہیں ان کو واپس ملنے پر اور پردہ مروجہ کے ترک کرنے پر زور دیا بہت سی تمثیلیں دیکر اپنے خیالات کی شرح وصراحت کی نصف گھنٹہ سے کچھ زیادہ میں نے تقریر کی سامعین نے بہت چیرز دیئے تالیوں سے ہال گونج گیا۔ میری تقریر کے خاتمہ کے بعد بھی تالیاں دیر تک بجتی رہیں خدا کا شکر ہے کہ میرے خیالات کا اچھا اثر ہوا اور میری تقریر سب کو پسند آئی اور حاضرین مسرور ہوئے۔

وہاں سے ایک ہی موٹر میں جہاں آرا بیگم یعنے بیگم شاہ نواز اور سر محمد شفیع اور میں مل کر سر محمد شفیع کے گھر آئے راستہ میں سر محمد شفیع۔ اور بیگم شاہ نواز نے

مجھ کو مبارک باد دی اور میری تقریر کی تعریف کی۔ سر محمد شفیع بولے کہ کاش آپ برقعہ اتار کر تقریر کرتیں تو بہت اچھا تھا گھر پر پہونچ کر اور لوگوں نے لیڈی شفیع اور ان کی بہو نے مبارک باد دی جب میں مسکن پر آئی تو کپتن عبداللہ اور ان کی اہلیہ نے جو شریک جلسہ تھے بیرسٹر صاحب سے میری تقدیر کی بہت تعریف کی۔

۲۰۔ نومبر۔ صبح کو مسٹر عزیز احمد بیرسٹر ایٹ لا کے ہاں سے ہم لوگوں کے لئے موٹر آئی جو لگ وہاں گئے ان کے ہاں سے ان کی لڑکی حسن آرا بیگم کے پاس گئے وہاں کرنل بھولا ناتھ جو بیرسٹر صاحب کے ہمعصر طالب علم اور قدیم دوست ہیں وہ اور ان کی بی بی وہیں تھے بیرسٹر صاحب کو دیکھ کر کرنل بھولا ناتھ بہت خوش ہوئے اور بیرسٹر صاحب سے شکایت کی کہ تم نے اپنے لاہور آنے کی خبر تک مجھ کو نہیں دی کرنل بھولا ناتھ کئی دفعہ حیدرآباد آچکے ہیں۔ وہاں سے مسٹر عزیز احمد کے ہاں واپس گئے دن کا کھانا وہیں کھایا تیسرے پہر کو مسز عزیز احمد میرے ساتھ ہو لیں اور بازار سے چند چیزیں میں خرید کر لائی شب کا کھانا بھی مسٹر عزیز احمد کے ہاں ہم لوگوں نے کھایا دس بجے شب کے مسکن پر واپس آئی۔

۲۲۔ نومبر۔ صبح کو چا اور ناشتہ سے فارغ ہو کر مسلمانوں کا یتیم خانہ دیکھنے گئے جو انجمن حمایت اسلام کے تحت و زیر نگرانی ہے اسمیں ایک سو دس یتیم لڑکیاں زیر پرورش ہیں ان کو علاوہ ہنر سکھانے کے علمی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ سات جماعتیں ہیں اور سات ہی اُستادنیاں ہیں لڑکیوں کی شادی بھی انجمن کرادیتی ہے۔ میں اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی یہ بہت اچھا کام انجمن کر رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ انجمن کے تحت مختلف محلوں میں سات مردانہ مدارس بھی ہیں۔ جب میں زنانہ یتیم خانہ کے کلاسوں کو دیکھ رہی تھی میرے ساتھ بیگم حمید علی بھی تھیں ایک اُستانی نے ان سے آکر کہا کہ میں نے

سنا ہے کہ حیدرآباد سے مسز صغرا ہمایون مرزا آئی ہوئی ہیں۔ آپ کو کچھ معلوم ہے وہ کہاں ٹھہری ہیں جب سے میں نے سنا ہے میرا دل بے اختیار ملنے کو چاہتا ہے۔ میں نے کہا میرا ہی نام ہے۔ انھوں نے اپنا تخلص رفیع بتلایا ایک استانی کا نام سراج بیگم ہے یہ صدر مدرسہ ہیں انھوں نے سارا اسکول جو اس یتیم خانہ کے متعلق ہے دکھلایا وہاں سے میں زنانہ ہسپتال دیکھنے گئی۔ مس کچھمن لیڈی ڈاکٹر نے سب ہسپتال دکھلایا یہ بھی کہا کہ خانگی وارڈ کا کرایہ صرف عہ/ روپیہ روزانہ ہے غریب عسرت زدہ عورتوں سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے اور ان کی خبر گیری آرام رسانی میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی یہ شفاخانہ بہت بڑا نہیں ہے صفائی کا انتظام بھی ٹھیک نہیں ہے میں نے لیڈی ڈاکٹر سے صاف کہہ دیا کہ آپ کے ہاں صفائی کا انتظام مطلق تشفی بخش نہیں وہاں سے قیام گاہ پر آکر کھانا کھایا دو بجے لیڈی شفیع کے ہاں ہم لوگ گئے انھوں نے خاص طور سے چند خواتین کو مجھ سے ملانے کے لئے چائے نوشی کے لئے اس وقت بلایا تھا وہاں پہلے سے ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے نواب احمد خاں کی بیگم اور منڈوٹ کی بیگم اور ایک کوئی رانی جن کا نام یاد نہ رہنے کی وجہ سے میں اپنی ڈائری میں نہ لکھ سکی اور ان رانی کی لڑکی موجود تھیں ان سب سے میرا تعارف کرایا بیرسٹر صاحب سر محمد شفیع سے بیٹھے باتیں کرتے رہے ہم سب نے چائے پی شام کے قریب مسکن پر واپس آئے شب کو سر عبدالقادر نے ڈنر کی دعوت بیرسٹر صاحب کر دی تھی اس لئے بیرسٹر صاحب شب کے آٹھ بجے معہ ممتاز علی صاحب اور حمید علی صاحب وہاں گئے۔

۲۳۔ نومبر آج دو بجے کی ریل میں لاہور سے روانہ ہونے کا قصد تھا اس لئے صبح ہی کو سب سامان بستر وغیرہ آدمیوں نے باندھ کر تیار کیا لیکن مولوی میر ممتاز علی صاحب اور میر حمید علی صاحب نے باصرار آج کے رہنے پر مجبور کیا حقیقت یہ ہے کہ انکی مہمان نوازی اور ممتاز علی صاحب کی شفقت

بزرگانہ کبھی بھول نہیں سکتی آخر رہنا پڑا اتنے میں مسز بھاگوتی چرن اور مسز کرم چند
مجھے رخصت کرنے کی غرض سے آئی تھیں ان سے کہا کہ آج مجھے ٹھہرنا پڑا تاہم
ان لوگوں سے رخصت ہوئی تھوڑی دیر باتیں کرکے وہ دونوں چلی گئیں صبح کو
نو بجے میاں میر کی چھاؤنی میں قدسیہ بیگم سے ملنے کی غرض سے گھر سے نکلے قدسیہ بیگم
نواب سر بلند جنگ سابق چیف جسٹس حیدرآباد ہائی کورٹ کی منجھلی لڑکی ہے
ان کی شادی کیپٹن راجہ اکبر خاں سے ہوئی ہے۔ کیپٹن اکبر خاں جس رجمنٹ
میں ہیں وہ ان دنوں میاں میر کی چھاؤنی میں مقیم ہے۔ ہمارے مسکن سے
میاں میر کی چھاؤنی نو دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ مولوی میر ممتاز علی صاحب
بھی ساتھ تھے میں نے راستہ میں میر صاحب سے دریافت کیا کہ میاں میر کون
بزرگ تھے انھوں نے کہا کہ میاں صاحب ایک بڑے خدارسیدہ بزرگ تھے اور
داراشکوہ کو ان سے خاص عقیدت تھی۔ وہ داراشکوہ کے پیر مرشد تھے۔

اورنگ زیب کو جو بہت متشرع تھا اپنے بڑے بھائی کی پیر پرستی ناگوار
تھی مگر داراشکوہ برابر میاں میر صاحب کی پرستش کرتا رہا ان کا مزار بھی داراشکوہ
نے بنایا ہے وہ راستہ ہی میں ملے گا۔ میں نے کہا کہ واپسی میں ضرور زیارت
کروں گی۔ قدسیہ بیگم کے گھر گئی وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ اور کہا کہ
دو ایک روز تو میرے ہاں آ کر رہیئے۔

ان کے خاوند گھر پر نہ تھے تھوڑی دیر ٹھہر کر وہاں سے واپس ہوئے
راستہ میں میاں میر صاحب کے مزار کے قریب موٹر ٹھہرائی مزار پر فاتحہ پڑھی
مزار کی عمارت سنگ مرمر کی ہے۔ صحن میں فرش بھی سنگ مرمر کا ہے احاطہ بڑا ہے
دروازے پر ایک شخص پھول بیچتا ہے۔ تھوڑے پھول خرید کر میں نے مزار پر
چڑھائے۔ مزار ایک گنبد کے اندر ہے۔ دروازے پر چند اشعار کندہ ہیں
ایک مصرعہ اچھی طرح پڑھا نہیں گیا بعض الفاظ دوسرے مصرعوں کے بھی
پڑھ نہ سکی۔ جس قدر پڑھا گیا وہ میں نے نوٹ بک میں جو میرے پاس ہمیشہ

رہتی ہے لکھ لیا۔

میاں میر میر دفتر عارفاں — صفر جانب شہر جاوید کرد
خرد بہر سال وفاتش نوشت — کہ خاک درش رشک اکسیر شد
بفردوس والا میاں میر شد
سنہ ۱۰۴۵ھ

وہاں سے واپسی میں اسلامیہ کالج۔ ٹریننگ اسکول وہ اسکول جہاں ملیریا کی
تحقیقات ہوتی ہے۔ اس کا ایک بڑا محکمہ ہے۔ یہ سب ادارے باہر سے
دیکھے گھر پر آ کر ایک بجے کھانا کھایا۔ دو بجے کے بعد برہمو سماج والوں کا
زنانہ اسکول دیکھنے گئے۔ مسز بھاگوتی چرن اسی مدرسہ میں ہیں۔ یہ اسکول
چندہ سے چلتا ہے۔ میٹرک تک تعلیم ہوتی ہے۔ ایک سو لڑکیاں درس
پاتی ہیں اس کا نام مہالیلا مناویلا ہے وہاں ایک لاری لڑکیوں کے لانے
کے لئے ہے درگاداس اور متھرا ہنس راج اس کو چلاتے ہیں۔ وہاں
سے انارکلی کے مزار پر گئے اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ منجملہ جن کے
ایک یہ بھی ہے۔ کہ یہ کنیز تھی نہایت حسین تھی۔ اکبر دل و جان سے
اس کو چاہتا تھا۔ اس کا گانا سنتا تھا۔ نام نادر خانم تھا ایک دن انارکلی
نے شہزادہ سلیم سے جو بعد کو جہانگیر ہوا کچھ اشارہ کیا وہاں ایک قد آدم
آئینہ تھا اکبر وہاں پہنچ گیا اور آئینہ میں ان دونوں کا آپس کا اشارہ دیکھا
اس لئے اکبر کو شک ہوا اور رشک ہوا اس نے فوراً انارکلی کو دیوار میں
زندہ چنوا دیا اسی مقام پر اس کا مزار جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں بنوایا
ایک عمارت کے اندر ایک کمرہ میں یہ مزار آ گیا ہے اسی عمارت میں
گورنمنٹ رکارڈ قدیم زمانے کے ہیں۔ قدیم دستاویزات کچھ شاہی زمانہ
کے کچھ رنجیت سنگھ کے وقت کے کچھ انگریزوں کے ابتدائی عہد اور
۱۸۵۷ء کے غدر الماریوں میں رکھے ہیں اور بعض شیشوں کے فریم میں

دیواروں پر آویزاں ہیں بہت قدیم جنرل اور سلاطین مغلیہ کی تصویریں بھی دیواروں میں آویزاں ہیں اس کے متعلق ایک دفتر ہے۔ انارکلی کے نام کا ایک بازار بھی اندرون شہر ہے وہاں سے ہم سب حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر گئے یہ محمود غزنوی کے زمانہ میں وارد ہند ہوئے تھے اور لاہور میں مدفون ہیں۔ ان کا مزار بہت آباد ہے بہت لوگ روزانہ فاتحہ اور نذریں چڑھانے منتیں مرادیں مانگنے آتے رہتے ہیں ایک بڑی سی مسجد بھی اس کے متصل ہے اس کے بعد قطب الدین ایبک سابق شہنشاہ ہند کا مزار بھی دیکھا یہ ایک گلی میں بُری حالت میں ہے اس پر سنہ ۱۲۱۰ کندہ ہے۔ پولو کھیلتے کھیلتے گر کر مرا تھا پولو کو چوگان کہتے ہیں۔ اہل عجم اس کھیل کے بہت شایق ہیں وہاں سے مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کے پاس گئے زنانہ میں ہی باہر پیر صاحب اور بیرسٹر صاحب حمید علی صاحب حیدر علی مرزا بیٹھے رہے ہم سب نے وہاں چا پی انھوں نے بہت گلہ کیا کہ ہم وہاں چند روز نہیں ٹھہرے

. . . .

تھیں وہاں سے آغا صفدر صاحب اسیسر انکم ٹیکس کے ہاں گئے مسٹر عبدالقیوم سکریٹری کیبنٹ کانسل کشمیر کے ہمزلف ہیں انکی اہلیہ سے مجھے ملنا تھا مگر وہ گھر پر نہ تھیں وہاں سے آتے وقت بازار سے کچھ سودا خریدتے ہوئے گھر آئے کیپٹن عبداللہ کی اہلیہ مجھ سے ملنے آئیں رات کو سب نے مل کر کھانا کھایا مسز حمید علی صاحب وغیرہ سے باتیں رہیں کل ہم لاہور سے امرت سر جائینگے۔

مقام امرتسر

۲۴ نومبر۔ آج ہم لاہور سے امرت سر جا رہے ہیں وہاں سے دہلی جائیں گے ہم لوگوں کی جدائی مولوی میر ممتاز علی صاحب کو

۱؎ مولوی امتیاز علی صاحب تاج نے انارکلی کا ڈراما لکھا ہے

بہت شاق ہو رہی ہے بار بار کہتے جاتے ہیں آپ لوگ چلے جائیں گے میرا دل گھبرائے گا کاش اور تھوڑے دن رہتے آپ کے رہنے سے بہت چہل پہل تھی روزانہ لوگ آتے جاتے تھے آپ کے جانے کے بعد سناٹا ہو جائے گا مجھے بھی مولوی صاحب کی جدائی کا صدمہ ہو رہا تھا لیکن کیا کرتی آخر کب تک رہوں مولوی صاحب کی شفقت بزرگانہ اور بھائی حمید علی صاحب و مسز حمید علی صاحب و امتیاز علی صاحب کی مہمانداری کبھی میں بھول نہیں سکتی مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں اپنے عزیز کے گھر میں ہوں۔ میں نے اپنے اوٹوگراف کی کتاب آج سر محمد شفیع اور لیڈی شفیع صاحبہ کے پاس بھجوائی تھی کہ آپ سب کچھ بطور یادگار لکھ کر کتاب واپس کیجئے سر محمد شفیع اور لیڈی شفیع صاحبہ بیگم شاہ نواز صاحبہ اور اصغری رفیع صاحبہ نے مختلف اشعار و رباعیاں وغیرہ لکھ کر بھجوائیں۔ دو بجے کی ریل سے ہم امرت سر روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر خورشید سلطانہ صاحبہ بنت خان احمد حسین خاں صاحب آئیں۔

میں نے ان کو مشیر نسواں کا ترجمہ کروانے کو ڈھائی سو (۲۵۰) روپیہ دیئے تھے دو ماہ کا وعدہ کیا تھا۔ چھ سال ہو گئے لیکن ترجمہ ابتک پورا نہ ہوا تھوڑا سا ترجمہ مشیر نسواں کا لیکر آئیں اور کہا والد کا مزاج خراب تھا اس لئے دیر ہوئی۔ مولوی صاحب اور حمید علی صاحب امتیاز علی صاحب سب اسٹیشن تک آئے تھے سب کو خدا حافظ کہا دو بجے ریل روانہ ہوئی چار بجے امرتسر ٹرین پہونچی اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں اسباب اور ملازمین کو چھوڑ کر ڈاکٹر و مسز کچلو کے یہاں گئے ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو بیرسٹر صاحب کو ایک عرصہ کے بعد دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مسز کچلو نے بھی مجھے دیکھ کر بہت مسرت ظاہر کی

ان دونوں میاں بیوی کا سخت تقاضہ ہوا کہ کم از کم ایک شب تو

ان کے یہاں مہمان رہیں لیکن ہم نے ان سے معذرت کی اور کہا کہ دلی جانا ضرور ہے بہر حال انھوں نے ہماری معذرت قبول کر لی ہم لوگوں نے وہاں چائے پی اور انہیں کی موٹر میں مسز کچلو کے ساتھ سکھوں کا دربار صاحب دیکھنے گئے یہ بہت بڑی عالی شان عمارت ہے گنبد پر تمام سونا چڑھایا گیا ہے نیچے کی بعض دیواروں میں بھی سونا منڈھا ہے دروازہ پر گھڑی نصب ہے اس کے نیچے سے گزر کر اندر گئے یہاں جوتے اوتارنا پڑے اور جرابیں اوتاریں کہ ایک سکھ ساتھ ہو گیا تھا اس نے کہا پاؤں دھویئے مندر کے سامنے نل ہے اسی کے پانی سے پاؤں دھوئے تمام سنگ مرمر کے چبوتروں پر فرش ہے ایک بڑا حوض ہے حوض کیا ہے خاصہ تالاب ہے اس پانی کو امرت کہتے ہیں یعنی آبحیات ہر شخص اس کے پانی سے منہ ہاتھ بھی دھوتا ہے پہلے ایک مکان میں گئے جو مندر یا دربار صاحب کے سامنے ہے وہاں ایک طرف گانا ہو رہا تھا ایک کمرہ میں انکے کسی گرو کے گرنت کی کتاب تھی اُس پر زرد اطلس پڑا ہوا تھا اور اس پر پھول پڑے تھے۔
گانا اُن کے یہاں عبادت میں داخل ہے دربار جس کو کہتے ہیں وہاں بھی لوگ بیٹھ کر گا رہے تھے دربار صاحب والا جو گنبد ہے اس کے اندر بہت بڑی کتاب گرنت کی ہے صحن میں جو بڑے بڑے چبوترے ہیں جس پر سے ہو کر ادھر سے اُدھر جاتے ہیں سب پر سنگ مرمر کا فرش ہے دربار صاحب والے گنبد کے چار دروازے ہیں ہر دروازے کے سامنے ایک سڑک ہے اس طرح چار سڑکیں ہیں۔ ان سب پر سنگ مرمر بچھا ہے۔
ہمارے ساتھ جو ایک سکھ ہو لیا تھا اس نے کہا کہ رنجیت سنگھ جب پنجاب کا فرمان روا ہوا تو جہانگیر اور نور جہاں کے مقبروں کے سنگ مرمر لاہور سے لا کر یہاں بچھوایا دربار صاحب والے گنبد میں باریک جالیاں بھی سنگ مرمر کی ہیں یہ بھی رنجیت سنگھ وہیں سے لایا تھا۔

جس مکان میں ہم پہلے گئے اور جو گنبد کے سامنے ہے اس کے متعلق ہمارے ساتھ جو سکھ تھا اس نے کہا کہ یہ دربار ہمارے پانچویں گرو ارجن دیو کا ہے وہاں ایک طرف کارچوبی کام کی مخملی مسند بچھی تھی اور گرنت والی کتاب رحل پر رکھی تھی جس پر زرد اطلس پڑی تھی اور پھول رکھے تھے گانا ہو رہا تھا جو سکھ ہمارے ساتھ تھا میں نے اس سے پوچھا یہ لوگ کیا گا رہے ہیں اس نے کہا ہماری زبان میں غزل ہے اس نے زبانی غزل سنائی میں نے صرف دو شعر اپنی نوٹ بک میں لکھ لئے وہ یہ ہیں۔

گھر کر بیوا مرس پیارے   سفت گرو تمرے کاج سنوارے
دوت وشت پرمیشر مارے   جنکے لاج رکھی کرتارے

دربار صاحب دیکھ کر ہم جلیان والا باغ دیکھنے گئے جہاں جنرل ڈائر نے ۱۹۱۷ء میں مشین گنوں کے ذریعہ سیکڑوں بندگان خدا کو موت کے گھاٹ اوتارا اسی زمانہ میں رولٹ ایکٹ قانون پاس ہوا تھا کہ کوئی باغیانہ تقریر وغیرہ نہ کرے ورنہ سزائے موت دی جائے گی صدائے احتجاج بلند کرنے کی غرض سے ایک جلسہ عام جسمیں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے منعقد کرنے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہوئے اس جلسہ کی خبر گورنمنٹ کو ہوئی اس زمانہ میں سر مائیکل اوڈوائر گورنر پنجاب تھا۔ پہلے سرکاری لوگوں نے جلسہ کرنے والوں کو منع کیا لیکن لوگوں نے نہ مانا کہا جاتا ہے کہ دس ہزار کا مجمع تھا ان لوگوں نے تقریریں کرنا شروع کیں بس پھر کیا تھا مشین گنیں لگا دی گئیں اور چلنے لگیں راستہ ایک ہی طرف تھا جدھر مشین گن تھی باقی کسی طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا اس لئے جس طرح چنے بھونتے ہیں اس طرح ہزاروں ہی آدمیوں نے تڑپ تڑپ کر جانیں دیں۔ ہندو مسلمان دونوں مارے گئے

ان میں بہت سے بیچارے تماشہ بین تھے۔ سیکڑوں ہی بے گناہ بے
تقصیر مسلمان اور ہندو مارے گئے۔ چار بجے سے پانچ بجے شام تک
یہ قیامت برپا رہی بہت سے زخم خوردہ پیاس کے مارے سسک سسک کر
دم توڑ رہے تھے مرتے وقت غریبوں کو کوئی پانی دینے والا نہیں یہ
مارشل لا جاری ہوا اس وقت باغیت وہاں نہیں تھی کسی زمانہ میں وہاں وسیع
باغ تھا اس لئے جولیان والا باغ مشہور ہے۔ اب قوم پرستوں نے اُسی
بربریت و وحشیانہ فعل کی یادگار میں پھر باغ لگایا ہے وہاں سے اسٹیشن پر
آئے اپنے اوٹو گراف البم میں مسز کچلو سے بطور یادگار کچھ لکھوالیا۔ اسٹیشن
پر شب کے آٹھ بجے کھانا کھایا مسز کچلو اسٹیشن تک پہونچانے آئیں۔
ڈاکٹر صاحب امرتسر کے باہر سر شام کہیں جانے والے تھے اس لئے
بیرسٹر صاحب سے اسٹیشن تک نہ آنے کی معذرت کی نو بجے ریل روانہ ہوئی

مقام دہلی

۲۵۔ نومبر کو صبح کے آٹھ بجے ہم دہلی پہونچے رائل ہوٹل میں
ٹھہرے عزیزی سید محمد یونس صاحب جو بیرسٹر صاحب کے عزیز ہیں اور
دہلی میں حضور نظام کے محل کی تعمیر و تیاری کے لئے آئے ہوئے میں نے
اُن کے دفتر کے پتہ سے ان کو ٹیلیفون دیا اور بیگم سر بلند جنگ کو بھی
اطلاع دے دی محمد یونس صاحب انجینیر اپنی موٹر لے کر آئے اور بیگم
سر بلند جنگ نے بھی اپنی موٹر بھیجی سخت تقاضہ کیا کہ ہم اُن کے
یہاں ٹھہریں اور یونس صاحب کا تقاضہ کہ ہم ان کے یہاں ٹھہریں کہا ہمارا
گھر ہوتے ہوئے آپ ہوٹل میں ٹھہریں یہ نہیں ہو سکتا۔ بیرسٹر صاحب
نے کہا میں حکیم نابینا صاحب کے علاج کیلئے آیا ہوں چند روز ٹھہرنا ہے بیگم
سر بلند جنگ کا اصرار تھا اور حکیم صاحب کا مکان ان کے مکان کے

بہت قریب ہے اس لئے ہم نے بیگم سر بلند جنگ کے یہاں دوسرے دن
جانے کا وعدہ کر لیا اور حکیم نابینا صاحب کا علاج بیرسٹر صاحب نے
شروع کیا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کو ٹیلیفون دیا خواجہ بانو صاحبہ نے
بات کی۔ ہوٹل میں کچھ کام تو نہ تھا بیٹھے بیٹھے ایک مضمون ٹکسیلا پر لکھا اور
تہذیب النسواں میں بھجوا دیا۔
۲۶۔ نومبر کو ہم بیگم سر بلند جنگ کے یہاں آئے اُنھوں نے موٹر
بھجوا دی تھی اپنے مکان کا ایک حصہ جسمیں ڈرائنگ روم اور کھانے کا
کمرہ پلنگ کا کمرہ حمام وغیرہ سب ضرورت کی چیزیں تھیں۔ ہم یہاں پندرہ
روز رہے جن جن سے ملے اور جہاں جہاں دعوتیں ہوئیں اس کا مختصر
حال لکھتی ہوں روزانہ ڈائری میرے پاس موجود ہے لیکن دہلی کا سفرنامہ
میرا پہلا لکھا ہوا ہے اس لئے میں چاہتی ہوں دہلی میں جو مختصر قیام رہا
اس کے حالات لکھوں۔
بیگم صاحبہ کاردالی اور اُن کی صاحبزادی ولیعہد منگلور کی بی بی
سے ملاقات کی۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں سیمن کمیشن کے لئے دہلی آئے
ہوئے ہیں لیڈی ذوالفقار علی خاں مجھ سے ملنے آئیں اور میری دعوت
چائے کی کی بیگم محمد یونس صاحبہ نے کھانے اور چاء پر کئی بار بلایا اور میرے
یہاں آئیں محمد یونس صاحب بیرسٹر صاحب کے عزیز ہیں سر محمد رفیق صاحب
بھی دہلی میں تھے بیرسٹر صاحب سے ملنے آئے اور ان کی بہن سے اور
لڑکیوں سے میں نے ملاقات کی انھوں نے دعوت بھی کی لیکن میرا جانا
نہ ہوا۔ بیگم سراج الدین احمد خاں صاحب سائل جو میری قدیم ملنے والیوں
میں ہیں ان سے عرصہ دراز کے بعد ملنا ہوا دل بہت خوش ہوا بیگم محمد علی
صاحب نے چائے کی دعوت کی اور بیگم رضاء اللہ صاحب انجینیر نے چائے کی دعوت
کی رازق الخیری صاحب اور بیگم راشد الخیری صاحب نے کھانے کی دعوت کی

اور اپنا اسکول (تربیت گاہ نبات) دکھایا میں نے کتاب الرائے میں اپنی
رائے لکھ دی ۳۶ لڑکیاں تربیت گاہ میں اس وقت تھیں لیڈی
ذوالفقار علی صاحبہ اکثر میرے یہاں آیا کرتی تھیں مجھے اُن سے اور اُن کو
مجھ سے محبت ہو گئی ہے نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب معہ بیگم
ذوالفقار علی سیمن کمیشن کے سلسلہ میں لکھنؤ جا رہے ہیں۔ مولانا خواجہ
حسن نظامی صاحب بھی کئی بار ہمارے یہاں تشریف لائے اور خواجہ بانو
صاحبہ نے ہم کو کھانے پر بلایا اور خواجہ صاحب نے بیرسٹر صاحب کو۔ خواجہ
صاحب ہمارے مکان پر آئے تھے تو میں نے پردہ کا ذکر نکالا خواجہ
صاحب نے کہا جب میں حیدرآباد گیا تھا آپ کشمیر میں تھیں تو اکثر عورتوں
نے مجھ سے کہا کہ مسز صغرا ہمایون مرزا پردہ ترک کرنا چاہتی ہیں میں نے اُن
لوگوں کو یہ جواب دیا کہ اسلام میں منھ چھپانے کا کہیں ذکر ہی نہیں آج مسز
صغرا ہمایون مرزا نے جس طرح کا پردہ اختیار کیا ہے میں ان کے ساتھ ہوں
اور متفق الرائے ہوں آپ لوگوں کے کہنے سننے کا رنج نہ کیجیے حضرت
رسول اللہ کے بھی لوگ خلاف تھے میرے خلاف بھی بہت لوگ ہیں جو
کوئی بڑا کام کرتا ہے اس کے خلاف لوگ ہو جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب
نے میرا دل بہت بڑھایا خواجہ بانو صاحبہ بھی اسلامی پردہ کرتی ہیں گھر کے
نوکر وغیرہ سے پردہ نہیں کرتیں اور برقعہ پہن کر کھلی موٹر میں سوار ہوا
کرتی ہیں۔ دہلی میں اکثر خواتین برقعہ پہن کر کھلی موٹر میں جایا کرتی
ہیں لاہور میں تو پردہ بہت کم ہو گیا ہے۔ عزیزی محمد یونس صاحب
جو حیدرآباد سے سرکار نظام کا قصر بنانے دہلی آئے ہیں ان کی
اہلیہ میرے یہاں آئیں مجھے ہمراہ لے کر سرکار نظام کا پیلس دکھایا عزیزی
سید یونس بھی ہمراہ تھے وہ ہر ایک حصہ دکھاتے گئے زنانہ کا مکان عجب
طرح کا ہے بہت بڑا ہے لیکن باہر جانے کا صرف ایک دروازہ ہے

نہ کوئی کھڑکی باہر کی طرف ہے نہ دوسرا دروازہ ہے۔ زنانہ مکان مجھے
عجیب و غریب معلوم ہوا باقی تمام مکان بہت خوبصورت ہے اور فرنیچر
بھی اچھا ہے اسی جگہ نئی دہلی رائسینا جس کو کہتے ہیں ہر ایک والئی ملک راجہ
مہاراجہ کے پیلس بنے ہوئے ہیں بہت خوبصورت خوبصورت شاہی
مکانات ہیں۔ آنریبل مسٹر رضا علی ممبر سول سروس کمیشن ہیں انکی
بی بی سے ملنے گئی انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا کہ آپ میرے یہاں چلی
آئی دہلی میں جب کانفرنس ہوئی تھی سنا تھا آپ ڈیلی گیٹ ہو کر دہلی
آنے والی ہیں ہم نے آپ کے رہنے کا بندوبست کیا تھا لیکن آپ
نہیں آئیں اب ہمارے یہاں ٹھہریے میں نے کہا ہم لوگ چند روز میں
حیدرآباد جانے والے ہیں آپ کی محبت اور مہربانی کا شکریہ ادا کرتی
ہوں انھوں نے کہا ۳ دسمبر کو آپ اور بیرسٹر صاحب کھانا ہمارے
ساتھ کھائیے ہم نے منظور کر لیا۔ علیگڈھ سے میری بہن اہلیہ سید
عباس حسین صاحب کا لڑکا صادق آیا اور حکیم نابینا صاحب سے مل کر
علیگڈھ واپس گیا۔ یہاں کی لیڈیز کلب میں گئی مسز چٹرجی صاحبہ سے
ملاقات ہوئی انھوں نے مجھ سے کہا ہم آپ کے لئے ایک خاص جلسہ مقرر
کرینگے آپ تقریر کیجیے میں نے کہا میں حیدرآباد جانے والی ہوں مجھے
وقت نہیں ہے مسز چٹرجی نے کہا آپ کے آنے کی ہم کو اطلاع ہی
نہیں ہوئی ورنہ ہم جلسہ کب کا مقرر کر چکے ہوتے مگر چند روز آپ کو ٹھہرنا
چاہیئے دس دسمبر کو ہم جلسہ منعقد کرینگے آپ ضرور تقریر کیجیے میں نے کہا
اس کا جواب میں کل دوں گی آپ مجھ سے کل ملئے۔ دوسرے روز مسز چٹرجی
میرے یہاں آئیں میں نے کہا ہم لوگ آپ کی خاطر سے دس دسمبر تک
ٹھہر جاوینگے جلسہ مقرر کیجیے بیرسٹر صاحب سے بھی وہ ملیں دیر تک ادہر
ادہر کی گفتگو رہی۔ مسز رضا اللہ صاحبہ مجھے مسلم لیڈیز کلب میں لیکر گئیں

جو ابھی نامکمل ہے صرف دیوار اُٹھائی گئی ہے۔ بیگم ڈاکٹر انصاری صاحبہ
سے بھی ملاقات ہوئی۔ بیگم صاحبہ ٹوڈی نے جو میری قدیم دوست ہیں
میری دعوت بارہ بجے دن کے کھانے کی اور چائے کی کی۔ آنریبل رضا علی
صاحب کی بی بی نے شام کے کھانے پر ہم سب کو بلایا تھا رضا علی صاحب
کے خیالات اچھے ہیں وہ اپنی بی بی بچوں کو سخت پردہ نہیں کرواتے
بیرسٹر صاحب سے رضا علی صاحب سے مختلف گفتگو رہی۔ رضا علی صاحب
کی بیٹی بہت لائق ہیں اور خوش مزاج ہیں۔

۵۔ دسمبر ۳۶ء کو دہلی کے زنانہ باغ میں بیگم رضاء اللہ صاحبہ
اور بیگم مولانا محمد علی صاحبہ نے میرے لئے جلسہ مقرر کیا رقعوں میں لکھا کہ
بیگم ہمایون مرزا تعلیم نسواں پر تقریر کرینگی۔ داعیان بیگم محمد علی و بیگم
رضاء اللہ تھیں میں نے تعلیم نسواں پر تقریر کی بہت سے لوگ آئے تھے
ایک بی بی میرے پاس آئیں مجھ سے کہا آپ ہمارے اسکول میں ایک
روز تقریر کریں کیونکہ امیر تو کانفرنس وغیرہ میں شریک ہوکر تقریر سنا
کرتے ہیں غریب لڑکیوں کو موقع نہیں ملتا میں نے کہا آپ ایک
روز مقرر کیجئے میں ضرور تقریر کروں گی۔ زنانہ باغ میں چار دیواری
ہے عمارت چھوٹی سی بنی ہوئی ہے لیکن درخت وغیرہ بہت ہیں۔ خدا کا
شکر ہے کہ میری تقریر دہلی کی خواتین کو پسند آئی دوسرے روز صبح کو
مولانا راشد الخیری صاحب ہمارے یہاں آئے مجھ سے کہا کہ آپ نے کل
زنانہ باغ میں خوب تقریر کی بیگم راشد الخیری صاحبہ بھی گئی تھیں انھوں
نے آپ کی بہت تعریف کی لیکن افسوس اس کا ہے کہ آپ کی تقریر
کی تائید کرنے والا دہلی میں کوئی نہ تھا اور نہ کسی دوسری عورت نے کچھ تقریر
کی اس کا مجھے افسوس ہے۔ میں نے کہا یہ سب قصور آپ لوگوں کا ہے کہ
عورتوں کو جاہل چھوڑ دیا ہے مرد کہتے بہت کچھ ہیں مگر کرتے کچھ بھی نہیں ہیں

پردہ کو بھی مرد بُرا کہتے ہیں لیکن ترک نہیں کرتے۔ مولوی صاحب نے کہا
کہ میری بی بی تو برقعہ پہن کر باہر جاتی ہیں۔

۷۔ دسمبر خواجہ حسن نظامی صاحب نے بیرسٹر صاحب کی اور میری
دعوت کھانے کی کی تھی بارہ بجے کا کھانا خواجہ بانو صاحبہ کے یہاں کھایا
پردہ کا ذکر رہا۔

میں نے کہا میں نے سنا ہے کہ خواجہ صاحب نے رسالہ تبلیغ نسواں
میں کچھ لکھا ہے وہ پرچہ منگائیے چنانچہ ۱۷ جولائی کا تبلیغ نسواں کا پرچہ لایا گیا
اس میں یہ عبارت خواجہ صاحب نے لکھی تھی "حیدرآباد جب میں گیا تھا تو
چند عورتیں میرے پاس آئیں مجھ سے کہا مسز صغرا ہمایون مرزا پردہ چھوڑنے
کی کوشش کر رہی ہیں میں نے کہا میں ان سے سالہا سال سے واقف
ہوں جو بہت لائق بی بی ہیں جبتک میں ان سے دریافت نہ کر لوں گا کچھ
نہیں کہہ سکتا" خواجہ بانو صاحبہ اپنے گھر کے نوکروں سے پردہ نہیں کرتیں
میں نے پوچھا آپ پردہ نہیں کرتیں تو مجھے جواب ملا میں کپڑے ستر پوش پہنتی
ہوں منھ کھلا رکھنا اسلام میں جائز ہے۔ وہاں سے واپسی میں پرانا
قلعہ دیکھا جو ہندوؤں کا بنایا ہوا ہے اسمیں شیر شاہ سور کی بنائی ہوئی مسجد
بھی ہے اُس میں تمام قرآن کے سوا سے کندہ ہیں اس کے قریب ایک
کنواں ہے جو بہت خوبصورتی سے بنایا ہے۔ ایک طرف مینار کی طرح بنا ہوا
ہے جہاں سے ہمایون بادشاہ چاند دیکھا کرتا تھا اسی پر سے گر کر مرا۔
وہاں سے جنتر منتر دیکھنے گئی اس میں باغ بھی ہے یہ عجیب و غریب جگہ ہے
پہلے زمانہ میں گھڑی نہیں تھی وقت اس کے ذریعہ معلوم ہوتا تھا دنیا کا
نقشہ بھی اس میں اُترا ہوا ہے چاند کدھر نکلتا ہے کب چاند گرہن ہوتا
ہے سورج کا حساب قوس و قزح کس طرح نکلتا ہے یہ سب اس میں
معلوم ہو جاتا ہے سنہ ۱۷۱۰ء میں راجہ جسونت سنگھ نے بنایا تھا سیاروں کا

حساب بھی معلوم ہوتا ہے عجیب وغریب جگہ ہے سیکڑوں کمانیں بنی ہوئی ہیں ان پر کچھ حساب لکھا ہوا ہے کہیں حوض کیطرح ہے کہیں دیوار ہے کہیں چبوترہ ہے جو دہلی جائے وہ ضرور ضرور دیکھے۔ آج میری والدہ مرحومہ کی برسی کا دن تھا میں نے روٹی حلوے پر فاتحہ دلواکر فقرا کو تقسیم کروایا۔

۸۔ دسمبر بیگم علی احمد صاحب انجینئر نے چائے کی دعوت کی اور نئی دہلی و اسمبلی کی عمارت دکھائی۔ علی احمد صاحب انجینئر ہیں ان کے علاقہ میں یہ عمارت ہے وہ دکھا سکتی ہیں جانیہ تاج بیگم صاحبہ مجھ سے ملنے آئیں ادھر ادھر کا قصہ بیان کیا اس کے قبل میں ان سے کبھی نہیں ملی تھی۔ اہلیہ عزیزی سید محمد یونس اور سید محمد یونس انجینئر ہم سب مل کر قطب صاحب کی لاٹ دیکھنے گئے بہت بڑا مینار ہے جس پر قرآن کی آیتیں کندہ ہیں سنا ہے کہ مسجد کا ایک مینار ہے قطب الدین ایبک بنوا رہا تھا صرف ایک منار تیار ہوا مسجد کے بائیس دروازے تیار ہونے والے تھے مندر توڑ کر مسجد بنا رہا تھا وہ مندر بھی نہ رہا اور نہ مسجد رہی حسرت و یاس اپنی قسمت پر رو رہی ہیں سلطان التمش کا مزار بھی وہیں ہے جس کو اس کی بیٹی سلطانہ نے بنوایا تھا اس کی قبر پر چھت نہیں ہے چاروں طرف قرآن کی آیتیں کندہ ہیں وہاں سے صفدر جنگ کے مقبرے میں آئے یہ بہت عالی شان و خوبصورت مقبرہ ہے چاروں طرف عمارت ہے بیچ میں مقبرہ ہے مقبرہ پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

چوں صفدر عرصہ مرد و مے — زدار جہاں گشت رحلت گزیں
چنیں سال تاریخ او شد رقم — کہ بادہ مقیم بہشت بریں

یہاں سے ہمایون کے مقبرہ میں آئے ہمایون کے مقبرے میں اس کے تمام عزیزوں کے مزار ہیں بہت اچھا مقبرہ ہے لیکن جہانگیر کے مقبرہ کی برابری نہیں کرسکتا وہ نورجہاں کا بنایا ہوا ہے اور یہ ہمایون کی بی بی حاجی بیگم

کا بنایا ہوا ہے وہاں سے ویسرائے لاج دیکھنے گئے دو کروڑ کی تیاری سے بنایا جارہا ہے نہایت عالی شان مکان ہے ابھی بن رہا ہے ہزاروں مزدور کام کررہے تھے وہاں سے اوکھلا دیکھنے گئے یہ مقام جمنا کے کنارہ ہے ۱۸۷۴ء میں جمنا ندی سے نہر کاٹ کر آگرہ شہر تک لے کر گئے ہیں نہایت خوبصورت منظر ہے پل بہت اچھا بنایا گیا ہے ندی کا پانی دروازوں کے ذریعہ بند کردیا جاتا ہے پھر کھول دیا جاتا ہے وہاں سے عزیزی محمد یونس صاحب کے یہاں آئے شام کے کھانے کی دعوت تھی کھانا کھایا مجھے زکام بہت شدت سے ہوگیا ہے بیگم بشیر الدین احمد صاحب سابق تعلقدار حیدرآباد مرحوم کے یہاں گئی چند منٹ ان کے یہاں ٹھہری اشتیاق احمد صاحب بیرسٹر صاحب سے ملے بشیر الدین احمد صاحب کی بیٹی بشرا بھی موجود تھیں ان سے بھی ملی۔

۱۰۔ دسمبر کو زنانہ کلب میں چار بجے گئی جہاں میرے لئے مسز چٹرجی نے جلسہ منعقد کیا تھا مسز سلطان بیگ صدر بنائی گئیں میں نے ہندو مسلم اتحاد پر تقریر کی کہ ہندو مسلمانوں میں اتفاق ہونا چاہیئے جب تک ہم ایک نہ ہونگے کچھ نہ ہوگا۔ میری تقریر کی تائید میں مسز مو و چھمی پیڈی ممبر کونسل مدراس نے جو دلی آئی ہوئی ہیں انگریزی میں تقریر کی انکی تقریر کا ترجمہ مس رضا علی صاحبہ نے کیا اس کے بعد اور ایک ہندو بی بی ڈاکٹر ودیدی صاحبہ نے تقریر کی یہ خود ڈاکٹر ہیں۔ میں نے ایک چاندی کا کپ کلب کو انعام دیا کہ جو ٹینس کے کھیلنے میں فرسٹ آئے اس کو دیا جائے مسز چٹرجی صاحبہ اور مسز سلطان سنگھ نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ پہلا کپ ہے جو کلب کو ملا ہے۔

ایک روز میں کوئین میری کالج کو گئی یہاں میٹرک تک پڑھائی ہوتی ہے لڑکیاں بورڈر ہیں لڑکے دس سال کی عمر تک کے بورڈر ہوسکتے ہیں

دو سو لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں دو مسلمان اُستانیاں ہیں وہاں کی پرنسپل
مس اسڈان ہیں انھوں نے مجھے تمام اسکول دکھایا وہاں سے ہم حکیم اجمل خاں
صاحب کا طبیہ اسکول دیکھنے گئے یہاں سلطان جہان بیگم صاحبہ منتظمہ ہیں
اور لیڈی ڈاکٹر شریف النسا بیگم صاحبہ ہیں دایہ گری سکھانے والی مسز جہاں
بیگم صاحبہ ہیں ۲۷ بورڈر لڑکیاں ہیں کل جملہ لڑکیاں پچاس ہیں دس روپیہ
فی لڑکی وظیفہ ملتا ہے دو ہندو لڑکیاں ہیں باقی سب مسلمان ہیں مردوں کو
سید حفیظ الرحمن صاحب پڑھاتے ہیں یہاں کے اخراجات کا کفیل ہندوستانی
دواخانہ کا منافع اور کچھ چندہ ہے۔

مسز آصف علی صاحبہ میرے یہاں آئیں ایک دن ہندوؤں کا اسکول
دیکھنے گئے اس کا نام گورنمنٹ ٹریننگ اسکول ہے اس میں اُستانیاں بھی
بنائی جاتی ہیں اور لڑکیاں مڈل و میاٹرک تک تعلیم پاتی ہیں ۶۴ عورتیں
معلمات بننے کے لئے پڑھ رہی ہیں ایک سو بیس طالبات ہیں مڈل میاٹرک
تک تعلیم پا رہی ہیں دس سے پندرہ تک وظیفہ اس لڑکی کو ملتا ہے جو
تعلیم المعلمات میں شریک ہو۔ دس اُستانیاں ہیں صدر کا نام مس مکرجی
ہے وہ بنگالی ہیں لیکن عیسائی ہو گئی ہیں ایک مسلمان اُستانی ہے باقی
سب ہندو ہیں کسی لڑکی سے فیس نہیں لی جاتی مفت تعلیم دی جاتی ہے
نہایت اچھا اسکول ہے صفائی وغیرہ سب اچھی ہے مس مکرجی نے مجھے
تمام اسکول دکھایا اور لڑکیوں کا میوزیم ایک کمرہ میں تھا وہ دکھایا سلائی
کے اچھے نمونے تھے کارچوب کروشیا وغیرہ غرض ہر ایک قسم کی دستکاری
تھی مس مکرجی صاحبہ نے ایک صندل کا ہار میرے گلے میں پہنایا کہا یہ لڑکیوں
نے اپنے ہاتھ سے صندل گھس گھس کر گول موتی کی طرح بنا کر تیار کیا ہے بہت
خوبصورت ہار ہے اس میں سے صندل کی خوشبو آتی ہے میں نے شکریہ
ادا کیا اسکول کی عمارت بہت بڑی ہے۔

قلعہ دیکھنے گئے لال قلعہ شاہ جہاں نے بنوایا تھا۔ لال قلعہ جو قلعہ
معلّے مشہور تھا۔ شاہ جہاں کا بنوایا ہوا ہے۔ اس کی تعریف کیا ہو سکتی ہے اتنا
کہنا کافی ہے کہ شاہ جہاں شیدائے عمارت کا بنوایا ہے۔ پہلے ہم رنگ محل میں
داخل ہوئے زردوزی مسند بچھی ہوئی ہے پیچوان حقہ مسند کے سامنے رکھا ہوا
ہے عطردان اوگالدان الائچیوں کی تھالی وغیرہ قرینہ سے رکھی ہے مسند کے
ایک جانب تلوار رکھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کوئی اٹھ کر یہاں سے گیا
ہے۔ ایک دوسرا کمرہ خوابگاہ یعنی سونے کا ہے پلنگ بچھونا وغیرہ سب موجود
یہاں جو کچھ سامان ہے سب شاہی زمانہ کا ہے ممکن ہے کچھ شاید بعد کا بھی ہو۔
ایک دوسرے قطعہ میں بہادر شاہ خاتم خاندان مغلیہ کا اور ان کی چہیتی بیوی
زینت محل کا بہت سا سامان زیورات و پوشاک وغیرہ آئینہ کی الماریوں
میں رکھی ہے۔ دیوان خاص و دیوان عام دیکھکر۔ وہاں سے واپس ہوئے
بیگم رضا اللہ صاحب انجینئر کا تقاضا تھا کہ جس کلب کی وہ سکرٹری ہیں اس کے
جلسہ میں شرکت کروں اس لئے وہاں گئی۔ بہت سی خواتین مثلاً بیگم ڈاکٹر
انصاری بیگم۔ مولانا محمد علی دختر حکیم نابینا صاحب وغیرہ شریک جلسہ تھیں
بیگم رضاء اللہ لیڈیز پردہ کلب کی تیاری کی کوشش میں سرگرم ہیں بہت سی
خواتین نے زرچندہ دیا۔ بیگم محمد علی اور میں نے تقریر کی دوران تقریر میں
بیگم رضاء اللہ اور ان کی شریک کار مسز بلانگ فیلڈ کی سعی کی تعریف کی جو
درحقیقت مستحق تعریف ہیں۔

مقام علیگڈھ

۱۲ دسمبر ۱۹۲۹ء صبح کی نو بجے کی ٹرین سے ہم لوگ علیگڈھ روانہ ہوئے
بارہ بجے علیگڈھ پہونچے اور شیخ عبداللہ خاں بہادر وکیل ٹریزرر مسلم یونیورسٹی
کے ہاں قیام کیا۔ عظیم بیگ صاحب چغتائی کے ہاں کہلا بھیجا کہ ہم لوگ

علیگڈھ آئے ہیں اور شیخ عبداللہ صاحب کے ہاں ٹھہرے ہیں۔ عظیم بیگ صاحب نے بھی ہم کو علیگڈھ آنے کی کئی دفعہ دعوت دی تھی ان کی ہمشیرہ وغیرہ تیسرے پہر کو مجھ سے ملنے آئیں بیگم عبداللہ صاحبہ اور ہم سب نے چائے پی اس کے بعد مسز شریف صاحبہ کے ہاں ملنے گئی ان کی لڑکی مسٹر سید حسن امام بیرسٹر کے فرزند سید مہدی امام سے منسوب ہے۔ مسز شریف صاحبہ نے باصرار کہا کہ یا تو کل شام کی چائے میرے ساتھ پیجئے یا شب کا کھانا میرے ساتھ کھائیے مجھے چونکہ فرصت کم تھی اس لئے معافی چاہی۔

۱۳۔ دسمبر صبح کے ناشتہ و چائے سے فارغ ہونے کے بعد نواب سرور الملک بہادر اور ان کی بہو سے ملنے گئی نواب سرور الملک بہادر جو کسی زمانہ میں مرحوم حضور نظام کے استاد اور پیشی کے سکریٹری تھے میرے والد مرحوم کے خاص دوستوں میں تھے۔ نواب صاحب مجھ کو اور بیرسٹر صاحب کو دیکھ کر بیحد خوش ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ ہم لوگ اسٹیشن سے آرہے ہیں آدمیوں کو حکم دیا کہ ہمارا سامان موٹروں میں سے اتار کر لائے اور اندر بھجوا دیئے مجھ سے فرمایا تم میری بیٹی ہو تمھارے والد مجھے بھائی سے زیادہ عزیز تھے نواب صاحب بہت ضعیف ہو گئے ہیں وہاں سے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کے ہاں گئے وہ بہت علیل ہیں اور ہوش و حواس بھی نہیں ہیں اس لئے بیرسٹر صاحب نے ان کے بڑے فرزند سے مل کر ان کے والد کی خیریت دریافت کی میں اندر زنانہ میں گئی بیگم آفتاب احمد اور انکی صاحبزادی مسز راس مسعود سے ملی۔ ان لوگوں نے کہا کل دن کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیے میں نے معذرت کی اور تنگی وقت کا عذر کیا۔ وہاں سے مسز حبیب صاحبہ کے ہاں چند لمحوں کے لئے گئی وہاں سے نذر سجاد حیدر صاحب کے ہاں گئی ان کے والد سید نذر الباقر کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے اس لئے نذر سجاد حیدر صاحبہ بہت غمگین و ملول تھیں اور کچھ علیل بھی ہیں وہاں سے

اپنے قیام گاہ پر آئی۔ بیگم عبداللہ صاحبہ اور میں نے کھانا کھایا اس کے بعد زنانہ اسکول اور بورڈنگ دیکھنے گئی جو نہایت حسن سلیقہ سے چلایا جا رہا ہے جس کی روح رواں بیگم عبداللہ صاحبہ ہیں۔ بورڈنگ میں ۶۲ لڑکیاں داخل ہیں فی لڑکی سولہ روپیہ رہنے اور کھانے کا لیا جاتا ہے اٹھتیس لڑکیاں وہ ہیں جو روزانہ آیا جایا کرتی ہیں ان میں سے بعض سے دو روپے فیس لی جاتی ہے سولہ استانیاں ہیں۔ ایف اے تک تعلیم ہوتی ہے بورڈنگ کے لئے ایک اور عمارت تیار ہونے والی ہے جس کے لئے قومی چندہ کی ضرورت ہے اس قلیل عرصہ میں بیگم عبداللہ صاحبہ نے علیگڈھ کی خواتین کے پاس رقعے تقسیم کروا دئے اور میرے آنے کی اطلاع دی اور ایک جلسہ زنانہ کالج کے مکان میں مقرر کیا چنانچہ تین بجے بہت سی معزز بیبیاں جمع ہو گئیں۔ جلسہ کا انعقاد ہوا مسز شریف صاحبہ نے اس جلسہ کی صدارت کی میں نے تقریر کی۔ میں نے لڑکیوں کو نصیحتیں کیں ان کے فرائض بحیثیت طالبات کے اور نیز جوان ہونے کے بعد کیا ہونے چاہئیں ان کو بتلائے بعض بیبیوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ سفر یورپ کے حالات بیان کروں اور انگلستان کا طریقہ تعلیم بیان کروں چنانچہ اپنی تقریر میں ان امور کا بھی ذکر کیا۔ میری تقریر کے بعد ایک استانی صاحبہ نے تقریر کی بیگم عبداللہ صاحبہ نے میرا شکریہ ادا کیا۔ میں نے یہ تحریک پیش کی کہ مولوی میر ممتاز علی صاحب مالک رسالہ تہذیب نسواں لاہور جو عرصہ دراز سے عورتوں کی تعلیم و اصلاح کی فکر میں مصروف ہیں جنھوں نے عورات کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے بخیال میر صاحب کے گرانبہا خدمات کے رہبر نسواں کا خطاب مستورات کی جانب سے ان کو دیا جائے میرے اس خیال و تحریک کو حاضرین نے بہت پسند کیا اور میری تحریک باتفاق آرا پاس ہو گی۔ گو وقت تنگ تھا لیکن حاضرین کی تعداد اچھی

خاصی تھی۔

جلسہ کے اختتام کے بعد بیگم عبداللہ صاحبہ مجھ کو مردانہ کالج دکھانے لے گئیں۔ کالج کی عمارت باہر سے دیکھی مسجد کے دروازہ پر موٹر سے اتر کر سرسید احمد خاں مرحوم بانی کالج و محسن قوم کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی اسوقت بالکل شام ہو گئی تھی مسکن پر واپس آئی شیخ عبداللہ صاحب نے بیرسٹر صاحب کی بعض خاص لوگوں سے ملاقات کروائی مردانہ کالج دکھایا۔

۱۴۔ دسمبر۔ ناشتہ و چائے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے میزبانوں سے رخصت ہوئے انکا شکریہ ادا کیا۔ شیخ صاحب اور ان کی اہلیہ نے ہم دونوں آدمیوں کی خاطر و مدارات و مہمانداری دل سے کی شیخ عبداللہ درحقیقت بڑے روشن خیال اور عملی خیال کے آدمی ہیں قوم و ملک کی انھوں نے بہت خدمت کی اپنی لڑکیوں کی بھی بہت اچھی تعلیم دلوائی کہ وہ بی اے ام اے ہونیکے بعد یورپ بغرض تعلیم گئی ہوئی ہیں۔ ایک چھوٹے پیمانہ پر زنانہ مدرسہ قایم کر کے اس کو کالج کر دیا۔ رسالہ خاتون بھی ایک عرصہ تک نکالتے رہے بیگم عبداللہ صاحبہ کی ذات بھی بہت غنیمت ہے زنانہ کالج و دارالاقامۃ کا سارا انتظام یہ اور ان کی ہمشیرہ کرتی ہیں۔ غرض ان دونوں میاں بیوی کا دم ہماری مردہ قوم کے لئے بہت مفید و غنیمت ہے۔ ان لوگوں سے رخصت ہو کر نذر سجاد حیدر صاحبہ کے ہاں گئی ان سے رخصت ہوئی ان کا اصرار تھا کہ دو چار روز ان کے ہاں مہمان رہیں مگر یہ میرے لئے ناممکن تھا ان کے ہاں سے ہو کر عظیم بیگ چغتائی صاحب کی والدہ و ہمشیرہ کے ہاں جا کر ان سے رخصت ہوئی اس کے بعد اسٹیشن آئے۔ اسٹیشن پر خواجہ انور حسین صاحب مرحوم سابق ناظم تعمیرات حیدرآباد کے فرزند مسٹر خواجہ سرور حسین بیرسٹر جن کو شب گزشتہ ہم لوگوں کے علیگڈہ آنے کی اطلاع ملی ہم لوگوں سے ملنے آئے اور یہ شکایت کی ان کی اطلاع بہت دیر میں ہوئی ورنہ وہ ضرور ہم لوگوں کو

اپنے گھر لے جا کر رکھتے ان کی والدہ اور ہمشیرگان سے اور مجھ سے زمانۂ دراز کے مخلصانہ تعلقات ہیں اسی طرح خواجہ انور حسین مرحوم سے اور بیرسٹر صاحب سے بہت مراسم و دوستانہ تھے۔ بیرسٹر صاحب نے مسٹر سرور حسین کہا کہ مجھ کو مطلق نہیں معلوم کہ تم یہاں وکالت کرتے ہو ورنہ ضرور تم کو آنے کی اطلاع دیتا۔ مسٹر سرور حسین کہنے لگے ابھی تو آپ نے ریل کا ٹکٹ نہیں لیا ہے دو چار روز تو میرے مکان میں چل کر رہیے۔ ہم لوگوں نے ان کی محبت و خیالات کا شکریہ ادا کیا۔ نو بجے علیگڈہ سے ریل روانہ ہوئی ایک بجے ہم دلی پہنچے اور اخبارات آئے ہوئے تھے خطوط پڑھ لئے موٹر منگا کر بازار گئی کچھ چیزیں خریدیں۔ شام کو مولانا محمد علی صاحب کی بیوی کا خط آیا کہ کل شام کو چائے کی دعوت دی ہے۔

درگاہ حضرت سید شاہ نصیر الدین اودہی چراغ دہلی

۱۵۔ دسمبر چونکہ درگاہ شریف کا راستہ بہت دور تک ناہموار ہے پہلے کئی میل تو پختہ سڑک ہے اس کے بعد کئی میل سڑک کا تو نام نہیں جو راستہ ہے وہ بالکل خراب و خستہ ہے وہاں موٹر یا بروم گاڑی یا فٹن نہیں جا سکتی ٹانگے بمشکل جاتے ہیں بہر حال دو تانگے کرایہ کے صبح کے نو بجے منگوا لے ایک پر تو ہمارے آدمی اور ٹفن باسکٹ اور صراحی وغیرہ رکھوا دی دوسرے پر بیرسٹر صاحب میں اور حیدر میاں سوار ہوئے۔ دریا گنج سے جہاں ہماری قیامگاہ ہے درگاہ شریف بہت فاصلہ پر ہے تقریباً تیرہ چودہ میل ہے ایک تو راستہ ناہموار اس پر تانگہ کی سواری ساڑھے بارہ کے قریب ہم منزل مقصود پر پہنچے۔ راستہ اس قدر خراب تانگوں کے ٹٹو چل نہیں سکتے تھے نشیب و فراز کہیں پگ ڈنڈیوں پر سے چلنا ہوا بعض مقام ہم لوگوں کو تانگوں سے اتر جانا پڑتا تھا۔ نہیں معلوم محکمہ تعمیرات کو اس طرف توجہ

کیوں نہیں ہے حالانکہ یہاں ہمیشہ زائرین کا مجمع رہتا ہے حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ بیرسٹر صاحب کے اجداد میں ہیں۔ بیرسٹر صاحب ان کی منجھلی ہمشیرہ مرحومہ کی اولاد میں ہیں۔

ہم لوگوں نے فاتحہ پڑھی پھول چڑھائے اور خدام کو کچھ دیا۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ایک سایہ دار مقام پر بیٹھ کر کچھ کھایا۔

متصل درگاہ مبارک ایک بستی ہے وہاں ایک زنانہ مدرسہ ہے۔ اُس کے دیکھنے کے لئے گئی۔

وہاں صرف ہندوؤں کی لڑکیاں درس پاتی ہیں اور وہ بھی ہندی میں باوجودیکہ مسلمان بھی وہاں رہتے ہیں مگر ایک مسلمان لڑکی مدرسہ میں نہ تھی۔

افسوس کہ مسلمانوں کو تحصیل علم کی جانب مطلق توجہ نہیں ہے۔

پانچ بجے قیام گاہ پر واپس آکر منھ ہاتھ دھویا۔ اور کپڑے بدلے اور بیگم محمد علی کے ہاں چائے کی دعوت میں گئی مولانا محمد علی نے بیرسٹر صاحب کی بھی دعوت کی تھی اس لئے وہ بھی وہاں گئے۔ دعوت بہت پر تکلف کی تھی۔ مولانا کی لڑکیاں بھی وہاں تھیں ان کی تعلیم کی نسبت جب میں نے دریافت کیا تو مولانا نے کہا کہ کوئی زنانہ مدرسہ دہلی میں مناسب حال نہیں ہے اور نہ لایق استانی یہاں ملتی ہے اس لئے ان کی تعلیم کا انتظام ہو نہ سکا میں نے کہا کہ اگر دہلی میں آپکے حسب دلخواہ کوئی زنانہ مدرسہ نہیں ہے تو علیگڈھ زنانہ کالج میں کیوں نہیں بھیجتے۔ اس کا جواب مولانا نے یہ دیا کہ وہاں کی تعلیم بھی مجھے پسند نہیں ہے ویسی تعلیم سے تو جاہل رہنا بہتر ہے اب اسکا جواب میرے پاس کیا تھا مجھے نہایت تاسف ہوا کہ ایسے فاضل ولایق باپ کی لڑکیاں اور یوں جاہل رہیں۔ لڑکیوں سے جو گفتگو ہوئی تو

معلوم ہوا کہ ان کو تحصیل علم و کسب کمال کا شوق ہے مگر بے دست و پا ہونے کی وجہ سے مجبور ہیں۔ مولانا نے یہ بھی مجھ سے کہا کہ آپ کے بڑے بھائی میجر محمد علی میرزا جو جنگ عظیم میں شہید ہوئے جب علیگڈھ میں تعلیم پاتے تھے تو مجھ سے ان سے بڑی دوستی و محبت ہو گئی تھی مثل عزیزوں کے وہ اور ہم رہتے تھے شب کے آٹھ بجے اپنے مسکن پر واپس آئی سامان وغیرہ بندھا کل انشاء اللہ دہلی کو خیرباد کہنے کا قصد ہے

اجمیر شریف

۱۶ - دسمبر صبح کو ناشتہ کے بعد بیگم سر بلند جنگ اور ان کی لڑکیوں سے رخصت ہوئی اور دلی شکریہ ان کی مہمان نوازی کا ہم لوگوں نے ادا کیا باوجودیکہ نواب سر بلند جنگ کچھ عرصہ سے علیل ہیں اور بیگم سر بلند جنگ شوہر کی علالت کیوجہ سے بیحد پریشان اور تیمارداری میں مصروف رہتی ہیں تاہم اس قدر خاطر و مدارات و تواضع کی اور گھر کا سا آرام دیا اسکا اثر ہم لوگوں کے دلوں پر ہوا اس کا اظہار ناممکن ہے۔ غرض ان سے رخصت ہو کر اسٹیشن آئے اور صبح کے نو بجے کی ٹرین میں اجمیر شریف روانہ ہوئے۔ شب کے دس بجے اجمیر شریف پہنچے۔ میں نے مندرجہ ذیل چند اشعار حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کی شان مبارک میں ریل پر لکھے تھے وہ یہ ہیں۔

اشعار در شان حضرت خواجہ

ناز کیونکر نہ کروں اپنے مقدر پہ بھلا — کھل گئی دل کی کلی روضۂ خواجہ دیکھا
شوق تھا حد سے فزوں آنکھوں سے چھلک آئی — صدقہ خواجہ کے دیا حکم تو قسمت لائی
جب تلک حکم نہ ہو ہمت و طاقت کس کی — آئے دربار میں بے اذن یہ جرأت کسکی

آپ اولاد میں ہیں فاطمہ کی کیا کہنا — آپکے نام سے توحید کا ڈنکا ہے بجا
ہند تاریک تھا اور کفر و ضلالت پھرا — آپکے مشعل توحید سے پُر نور کیا
جتنے مشرک تھے انہیں داخل اسلام کیا — کافروں کو جو کیا رام بڑا کام کیا
فیض بار آپکا دربار ہمیشہ سے رہا — حاجتی آپکے در سے نہیں محروم پھرا
میرے خواجہ مری بگڑی کے بنانیوالے — مقصدوں اور مرادوں کے دلانے والے

آرزو دل میں لئے آئی ہے ناچیز حبیبا
اسپہ ہو جائے عنایت کی نظر یا خواجہ

چونکہ رات بہت آ گئی تھی اس لئے ویٹنگ روم میں قیام کیا کیونکہ عرس کا زمانہ ہے جو ٹرین آتی ہے زایروں کو لے کر آتی ہے درگاہ شریف کے خادموں کا اژدہام تھا۔ بیرسٹر صاحب کو ان لوگوں نے گھیر لیا ایک کہتا ہے میرے ہاں چلئے میں حیدرآباد کے بہت سے امراء کا وکیل ہوں دوسرا کہتا ہے میرے ہاں چلئے آپ کو بہت آرام ملے گا بیرسٹر صاحب نے کہا میں نہ اس وقت کسی کے گھر جاتا نہ کسی کو اپنا وکیل بناتا صبح کو دیکھا جائے گا میرے ایک دوست عبدالرحمان خاں صاحب حیدرآباد کے رئیس و جاگیردار کچھ عرصہ سے یہاں مقیم ہیں ان سے ملنے کے بعد کسی کو وکیل مقرر کروں گا۔ چنانچہ صبح کو بیرسٹر صاحب اور میں عبدالرحمان خاں صاحب کے قیام گاہ پر گئے وہ لوگ ہم لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے انہیں کے وکیل کو ہم نے اپنا بھی وکیل بنایا۔ یہ وکیل درگاہ شریف کے خادموں میں ہیں ہم لوگوں کو لے کر درگاہ شریف میں داخل ہوئے۔ لوگوں کا اس قدر اژدہام تھا کہ تل رکھنے کو جگہ نہیں کہنی سے کہنی چھلتی تھی مگر خادم صاحب سبکو ہٹا ہٹا کر بڑے اہتمام سے مجھکو روضہ مبارک کے پاس لے گئے ہیں جب اندر داخل ہوئی تو حالت گریہ مجھ پر طاری ہو گئی عجب درگاہ ہے اور کیوں نہ ہو حضرت خواجہ حسینی سید تھے حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد اور ان کے عاشق و شیدا تھے۔ حضرت خواجہ کی اس

مشہور رباعی سے اُس عقیدتمندی کا اظہار ہوتا ہے جو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ حضرت خواجہ کو تھی۔ فرماتے ہیں۔

رباعی

شاہ است حسین بادشاہ است حسین — دین است حسین دین پناہ است حسین
سرداد و نداد دست بردست یزید — باللہ بنائے لاالہ است حسین

درگاہ مبارک کے دروازہ پر یہ عبارت کندہ ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

میں نے جو اشعار لکھے تھے وہ مزار مبارک پر چڑھا کے فاتحہ پڑھی خادم نے ہم دونوں ... کو مزار مبارک کے قریب لے جاکر ہمارے سروں پر مزار مبارک کے غلاف کا ایک حصہ ڈالا مجھے ایک چادر زردوزی کی اس کے بعد حضرت کی دونوں بیویوں کے مزار پر گئے فاتحہ پڑھی حضرت کی صاحبزادی کا مزار ایک چھوٹے سے حجرہ میں ایک جانب ہے جسمیں چھوٹی سی کھڑکی ہے اس کھڑکی کے قریب جاکر فاتحہ پڑھی۔ سرخ بنارسی چادر حضرت کی صاحبزادی کے مزار مبارک پر پڑی ہوئی تھی اور پھولوں کا ڈھیر تھا تمام حجرہ عطر اور پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ حیدرآباد کے سر آسمان جاہ مرحوم نے ایک سماع خانہ بنوایا ہے اسے دیکھا۔ حضور نظام کی جانب سے ایک کمان بنوائی گئی ہے شاہجہاں کی تعمیر کروائی ہوئی سنگ مرمر کی مسجد بھی لائق دید ہے۔ حیدرآباد کی جانب سے چودہ ہزار سالانہ کی جاگیر بھی نذر درگاہ شریف ہے۔ اکبر و جہانگیر و شاہجہاں نے جو جاگیریں نذر چڑھائیں ان کی آمدنی سالانہ چالیس ہزار ہے ان جاگیروں کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی منجانب سرکار مقرر ہے جس کے صدر عموماً دیوان صاحب ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ ان کو حصہ ملتا ہے۔ جس کا لقب دیوان صاحب ہوتا ہے وہ حضرت کے خلیفہ کی اولاد میں سے

ہوتا ہے حضرت کی اولاد میں صاحبزادے کہلاتے ہیں۔ حضرت کے خلیفہ کی
اولاد میں تقریباً سولہ سو ہیں اور یہ خدام کہلاتے ہیں جو زایروں کے وکیل بنتے
ہیں ان سب کی پرورش جاگیروں کی آمدنی سے اور نذور سے ہوتی ہے۔ درگاہ
شریف کے متعلق دو بڑی دیگیں ہیں ایک پندرہ سو روپے میں بھری جاتی ہے
اور دوسری دو ہزار میں جب کسی کی نذر و مراد بر آتی ہے تو وہ سالانہ عرس
شریف کے موقع پر دیگ بھرواتا ہے اس میں اقسام کا اناج اور گوشت
وغیرہ ڈال کر پکاتے ہیں۔ یہ بھی حضرت کی کرامت ہے کہ اتنی بڑی جو پخت
ہوتی ہے وہ مزیدار بھی بہت ہوتی ہے اور ان دیگوں میں جو کچھ پکتا ہے وہ
سب کو جو اشخاص زن و مرد عرس میں حاضر ہوتے ہیں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہمارے
وکیل نے ہم لوگوں کو بھی دوپہر کے کھانے کے لئے یہ تبرک لا کر دیا تھا جو نہایت
لذیذ تھا۔ شاہجہاں کی مسجد پر یہ کندہ ہے ایک قبلہ پشت و ایک قبلہ رو یہاں
ایک چشمہ بھی ہے جو ہر وقت جاری رہتا ہے۔ ایک دروازہ جنت کا کہلاتا
ہے جو بزمانہ عرس کھولا جاتا ہے۔ یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر ایک
پہاڑ ہے جس کا نام تاراگڑھ ہے (۳) پر حضرت سید میران حسین صاحب کا
مزار ہے یہ بھی اولیائے کرام میں سے تھے ہماری قیام گاہ سے یہ پہاڑ نظر
آ رہا تھا قلت وقت کی وجہ سے وہاں زیارت کو ہم جا نہ سکے اکبر بادشاہ کا
تعمیر کردہ متصل درگاہ شریف ایک قلعہ ہے حضرت خواجہ کی درگاہ مبارک
میں تین بجے کے قریب پھر گئے شیرینی منگوا کر فاتحہ دلوا کر تقسیم کروائی
وہاں سے رخصت ہوئے۔ جگہ جگہ قوالی ہو رہی تھی۔

میوزیم

جسمیں میوزیم ہے اکبر کے زمانہ کی بنائی ہوئی سنگ بستہ عالی شان
عمارت ہے۔ اس کے بہت سے کمروں میں مختلف مقامات کی زمین کی

کھدائی سے جو بت نکلے وہ جمع کئے گئے ہیں۔ یہ عمارت ۱۶۳۷ء میں تیار
ہوئی تھی۔ بدھ کے پیشتر زمانہ یعنی برہمنی زمانہ کے بہت سے بت ہیں
اور بہت بڑے بڑے بعض تو بالکل سالم ہیں بعض شکستہ ہیں۔ اسی
عمارت میں ایک جانب تحصیل کی کچہری ہے وہاں سے ہم لوگ شاہجہاں کی
بارہ دری دیکھنے گئے شاہجہانی بنوائی ہوئی عمارت کا کیا کہنا۔ نہایت
خوبصورت عمارت ہے تمام سنگ مرمر کا فرش اناساگر تالاب کے کنارہ
بہت ہی پر فضا مقام پر ہے ایک طرف پہاڑوں کا سلسلہ ہے وسیع صحن
ہے اور چمن ہر قسم کے پھول پتوں سے لدا ہوا اچھی حالت میں رکھا گیا ہے
یہاں سے ہم لوگ ایک مندر دیکھنے گئے جو نہایت عظیم الشان ہے۔
ایک جینی مذہب والے لکھپتی ساہوکار نے اس کی بنیاد ڈالی اس نے
اپنی زندگی میں کچھ بنوایا تھا پھر اس کا بیٹا تمام عمر کچھ نہ کچھ بنواتا رہا اب
اس کا پوتا بنوا رہا ہے تعمیر جاری ہے اس کا نام مولچند ہے قوم کا
ماڑواڑی ہے۔ جینی مت بدھ کے بعد ایک شخص مہاویر نامے نے نکالا
تھا اس کے پیرو گوشت مچھلی وغیرہ نہیں کھاتے اور بعد غروب آفتاب
کچھ نہیں کھاتے وہ اس لئے کہ مبادا اندھیرے میں کوئی کیڑا مکوڑا نہ مر جائے
اور کھانے میں نہ مل جائے غرض کسی جاندار کی جان لینا بہت بڑا گناہ
سمجھا جاتا ہے یہ مندر چالیس سال سے میں بن رہا ہے۔ اس میں جو کچھ
صنعتیں ہیں اور آراستگی کی گئی ہے وہ زبان قلم سے ظاہر نہیں ہو سکتی
دیکھنے سے تعلق ہے۔ کئی منزلیں ہیں غالباً تین تین بڑے بڑے
ہال ہر منزل پر ہیں۔ ایک ہال میں مختلف اقسام کے بت ہیں ایک ہی
ساز و سامان سے آراستہ بڑے بڑے پتھر کے گھوڑے اور بیل ہیں۔ کسی
میں ہاتھی قطار در قطار ہودے عماری سے آراستہ کھڑے ہیں۔ کسی
میں چھوٹی چھوٹی مختلف طرح کی مورتیاں کمروں میں آئینہ کاری نہایت خوبصورت

ایک بڑے ہال میں رام چندرجی کی شادی کا جلوس ہے - چھتوں پر میناکاری ہے بہت سے کمروں میں چاندی سونے کا کام نہایت خوبصورتی سے کیا ہوا ہے - ایک بہت خوبصورت بیلوں کی رتھ ہے جسمیں رام چندرجی بیٹھے ہوے جارہے ہیں - یہ بھی سنا کہ پچیس تیس لاکھ روپئے اب تک صرف ہو چکے ہیں - ہر شخص جاکر دیکھ سکتا ہے روک ٹوک مطلق نہیں قابل دید یہ بھی ایک تماشہ گاہ ہے پہرہ کے سنتری ہر جگہ کھڑے ہیں جو اس عمارت کی حفاظت کرتے ہیں اور آنے جانے والوں پر نظر رکھتے ہیں - یہ مندر دیکھ کر اسٹیشن پر آئے ریفرشمنٹ روم میں چائے پی - ہمارے وکیل فتح محمد صاحب ہم کو پہنچانے اسٹیشن آئے جو کچھ ہو سکا ان کی نذر کیا - پانچ بجے شام کے ہماری ٹرین اجمیر شریف سے روانہ ہوئی - صبح کو رتلام میں ہماری ریل پہنچی - یہ ایک دیسی ریاست ہے یہاں چائے پی - پھر اندور آیا - فتح آباد آیا - بارہ بجے ٹرین مھو اسٹیشن پر پہنچی یہاں کھانا کھایا - یہ ایک پہاڑی شہر ہے چاروں طرف پہاڑ اور بہت سے چشمے بہ رہے ہیں - دوسرے دن اورنگ آباد پہنچے -

۱۹ دسمبر - شب کے نو بجے کاچی گوڑہ اسٹیشن اپنے وطن حیدرآباد پہنچے بہت عزیز اسٹیشن پر موجود تھے جن کو دیکھ کر دلی مسرت ہوئی علی ہذہ وہ سب بھی ہم کو ایک عرصہ کے بعد دیکھ کر بہت خوش ہوئے - غرض چھ ماہ کے بعد یہ سفر کشمیر بخیر وخوبی تمام ہوا -

صغرا ہمایون میرزا
ہمایون نگر حیدرآباد دکن
یکم جنوری سنہ ۳۱ء

تصانیف مسز صغرا ہمایون میرزا

شیر نسواں - سرگذشت ہاجرہ - موہنی - تحریر النساء

عصہ ۱۲/ ۱۲/ ۱۲/

سفرنامہ یورپ پر دو حصہ - مجموعہ نصائح - سفرنامہ دہلی وبھوپال

عصہ ۴/ ۸/

سیر بہار و بنگالہ - سفرنامہ عراق و عرب - سفر پونہ و مدراس

۴/ ۸/

سفینہ نجات - مقالات صغرا - آواز غیب - سفرنامہ جنوبی ہند

۴/ ۸/ ۴/ ۶/

ملنے کا پتہ

دفتر عصمت دہلی سے طلب کریں یا مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سے طلب کریں یا صغرا منزل ہمایون نگر حیدرآباد دکن سے طلب کریں